حضرت

عباسؑ علمدار

کے

مُعجِزات

مؤلفہ

محمد وصی خاں

نظامی پریس بک ڈپو
وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ

۷۸۶

عباسِ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا عَلَم ہے کھلا ہوا
(جوشؔ)

حضرت



علمدار

کے

معجزات

مؤلفہ

محمد وصی خاں



قیمت مجلد

30 روپے

ناشر

نظامی پریس بکڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو

فون 267964

مطبوعہ نظامی آفسٹ پریس لکھنو

October 2000

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح حضرت عباسؑ پر ایک نظر

آپ کا نام	عباسؑ	سنِ ولادت	۲۶ سنہ ہجری
باپ کا نام	حضرت علیؑ		یوم سہ شنبہ (منگل)
ماں کا نام	فاطمہ کلابیہؓ	مقام ولادت	مدینہ منورہ
ماں کی کنیت	ام البنین	کنیت	ابوالفضلؑ۔ ابوالقاسمؑ
دادا کا نام	حضرت ابوطالبؑ	کنیت	ابو قربہ
دادی کا نام	فاطمہ بنتِ اسد	لقب	سقائے سکینہؑ۔ افضل الشہداء
نانا کا نام	جزم بن خالد		علمدار العبد الصالح
نانی کا نام	لیلیٰ بنتِ شہید	عمر شریف	۳۴ سال چند ماہ
زوجہ کا نام	لبابہؓ	سنِ شہادت	۱۰ محرم ۶۱ سنہ ہجری
بھائیوں کے نام	عبداللہ	یوم شہادت	جمعۃ الحرام
	جعفرؑ۔ عمران	وقتِ شہادت	بعد ظہر
لڑکوں کے نام	فضل (محمد)	سببِ شہادت	حمایتِ اسلام
	قاسمؑ۔ عبیداللہ		وطلب آب برائے
تاریخِ ولادت	۴ شعبان		خانوادہ آلِ محمدؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گود میں فاطمہؑ کی بخششِ امت کیلئے!

لاش اصغرؑ کی ہے عباسِؑ علمدار کے ہاتھ

(آغا سروش لکھنوی)

فہرست مضامین

معجزہ نمبر (۱)

اصلی اور نقلی سیّد کی پہچان

یہ واقعہ سنہ ۱۹۴۰ء کا ہے اس وقت میری عمر ۹ سال کی تھی اور میں اپنے والدین کے ہمراہ زیارت سیّد الشہداء کے لئے عراق آیا ہوا تھا۔ ایک دن حرم حضرت عباس علیہ السلام میں اپنے والدین کے ہمراہ موجود تھا کہ حرم میں ایک دم سے شور ہوا ایک جگہ پر بہت سے لوگ جن میں حرم کے خدّام بھی شامل تھے ایک عرب کو بری طرح مار رہے تھے۔ مار کھانے والے شخص کے سر پر ہرا کپڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ لوگ مارتے بھی جارہے تھے اور اس ہرے کپڑے کو اس سے چھین بھی رہے تھے۔ جس کو یہ شخص مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ آخر میں خداموں نے اس شخص سے ہرا کپڑا چھین لیا اور اس کو زبردست طریقہ سے دھکا دیکر الگ کردیا۔ جس کی وجہ سے یہ شخص زمین پر گر گیا۔ بڑی بیتابی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر یہ روضۂ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف دوڑا اور حرم میں داخل ہوتے ہی اس نے مرقد اطہر کی جالی سے اپنے سر کو ٹکرادیا اور زور زور سے روتے ہوئے بلند آواز میں عباسؑ عباسؑ کہتا اور اپنا سر برابر جالی سے مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا اب میری بہت بے عزتی ہوچکی۔ آج آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں سیدزادہ ہوں یا نہیں۔ نہیں تو میں اس وقت تک آپ کے مرقد کی جالیوں سے سر ٹکراتا رہوں گا جب تک کہ آپ

فیصلہ نہیں کر دیتے۔

اس شخص کو فریاد کرتے ہوئے کچھ دیر وقفہ گزرا ہوگا کہ اچانک حرم کے اندر ایک نظروں کو چکا چوند کر دینے والی روشنی پیدا ہوئی جس نے سب کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ ناگاہ ایک دم مرقدِ اطہر کی چھت سے ہرے کپڑے کا ایک ٹکڑا اس شخص کے سر پر گرا۔ حرم مبارک کے خدام اور دیگر حضرات اس عرب کی طرف دوڑے۔ کچھ معافی مانگنے لگے۔ اور بعض اسکے جسم کے کپڑے نوچنے لگے۔ جناب عباسؑ نے معجزاتی طریقہ سے بتا دیا کہ یہ سید زادہ ہے۔ اس عرب نے خداموں کے ذریعہ اس ہرے کپڑے کو جو حضرت عباسؑ کی طرف سے عطیہ ہوا تھا تمام حضرات میں تقسیم کر دیا ایک چھوٹا ٹکڑا میری والدہ کو بھی ملا جو ابتک میراث کے طور پر میرے پاس موجود ہے۔

افریقہ کے خوجہ کا کھویا ہوا بٹوہ مل گیا

معجزہ نمبر (۲)

یہ واقعہ ۱۹۵۳ء کا ہے جب میں نجفِ اشرف سے فارغ التحصیل ہو کر وطن عزیز واپس آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہی دنوں افریقہ سے ایک خوجہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ زیارت سید الشہداء کو آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اکیلا حرم مبارک حضرت عباس علیہ السلام میں تھا کہ کسی نے اس کا بٹوہ چوری کر لیا۔ وہ اپنے اس بٹوے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک جانب فرش پر گئی وہ اس طرف گیا اور جھک کر بٹوہ اٹھانے لگا

اسی دم ایک عرب وہاں آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ بٹوہ میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھ گئی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اس پر لوگوں نے کہا جھگڑے کو ختم کرو اور تم دونوں الگ الگ بتاؤ کہ اس بٹوے میں کیا ہے۔ خوجہ نے کہا اس میں بینک کا ڈرافٹ پونڈ عراقی کرنسی وغیرہ ہیں۔ عرب نے کہا اس بٹوے میں میرا فوٹو اور چند دینار ہیں۔ لوگوں نے جب بٹوے کو دیکھا تو اس کے اندر عرب کا فوٹو اور دینار کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس پر سب نے مل کر خوجہ کو خوب مارا اور بے عزت کر کے حرم سے نکال دیا۔

یہ خوجی زخمی حالت میں روتا ہوا نجف اشرف کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ راہ میں روتا جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا نام لے کر کہتا جاتا تھا کہ مولا آپ کے بیٹے کے روضہ پر زیارت کرنے گیا تھا۔ خود میرا بٹوہ چوری ہوا اور مجھ کو چور بنا کر بے عزتی کے ساتھ حرم سے نکال دیا گیا۔ مولا اب میں بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ کس طرح وطن واپس جاؤں گا۔ مولا حضرت عباسؑ دیکھا کئے۔ ان کے حرم میں میری بے عزتی ہوتی رہی۔ وہ زور زور سے فریاد کرتا رہا۔ نجف اشرف کی طرف جا رہا تھا اس کا گزر نہر حسینی کے پاس سے ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھوڑا سوار نجف کی طرف سے آرہا ہے اور وہ قریب آکر رک گیا اور اس سوار نے خوجہ سے دریافت کیا بھائی تم کو کیا پریشانی ہے اور زخمی حالت میں پیدل کہاں جا رہے ہو؟ بھائی نجف اشرف جا رہا ہوں اپنے مولا کی خدمت میں فریاد کرنے اور حضرت عباس علیہ السلام کی شکایت کرنے کہ ان کے روضۂ مبارک پر میری بے عزتی ہوئی ہے۔ سوار نے کہا بھائی تم میری جیب سے بٹوہ لے لو۔ ۴۰ میل زخمی حالت میں کس طرح جاؤ گے

خوجہ نے کہا نہیں بھائی صرف اٹھانے پر اتنی مار پڑی ہے اگر جیب سے نکال لوں گا تو کیا حشر کرو گے۔ اور اب تو پولیس سے پکڑوا دو گے۔ نہیں بھائی تم اپنا راستہ لو مجھ کو نجف جانے دو۔ نہیں نہیں میں کچھ نہیں کہوں گا تم بٹوہ لے لو۔ اس دفعہ سوار نے بڑی عاجزی سے کہا اب اس خوجہ نے کہا اگر واقعی تم کو بٹوہ دینا ہے تو اپنے ہاتھ سے دے دو۔ اس پر سوار نے بیکسی کے عالم میں بڑی مایوسی کے ساتھ کہا بھائی میرے ہاتھ تو کربلا میں شہید ہو گئے اب ہاتھ کہاں۔ یہ کہہ کر سوار نظروں سے غائب ہو گیا۔ بٹوہ نیچے زمین پر پڑا ہوا تھا۔ جس کو میں نے جھک کر اٹھالیا۔ دیکھا تو یہ واقعی میرا بٹوہ تھا اور میری ساری چیزیں اس میں اسی طرح موجود تھیں میں اسی حالت میں دوڑتا ہوا حرم حضرت عباسؑ میں واپس آیا اور زور زور سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا لوگو! میرا بٹوہ مجھ کو مل گیا۔ مشکل کشاؑ کے لختِ جگر حضرت عباسؑ نے میرا بٹوہ مجھ کو واپس دے دیا۔ اس کے بعد اس خوجہ نے چودھری اسحاق کے مسافر خانہ میں ایک شاندار مجلس حسینؑ کا اہتمام کیا اور مجھ کو اس مجلس سے خطاب کرنے کو کہا۔ مجلس بڑی شاندار ہوئی جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔

حضرت عباس علیہ السّلام کی معجزہ نمائی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ مظہر العجائب اور معجزنما کے بیٹے ہیں جن کے باپ کے تصرف میں کل کائنات ہے اسی طرح اس کے بیٹے کے تصرف میں بھی پروردگار عالم نے دنیا کی ہر چیز رکھ دی۔

بارگاہ معبود میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ فاضل مؤلف جناب محمد وصی خاں کی اس عظیم قلمی کاوش کو قبول فرمائے اور انھیں دین

و مذہب کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا رہے۔

امید کرتا ہوں کہ ملّت کے باذوق حضرات اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں گے اور خصوصًا نسلِ نو کے افکار و نظریات کو اس کتاب کے ذریعہ مذہبِ اسلام کی جاودانی افادیت و ہمہ گیری کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ اسی طرح منکر معجزات اور کرامات کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے وہ اس کو پڑھنے کے بعد اسلام کی ان عظیم ہستیوں پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

چند وظائف منسوب بنام جناب حضرت عباسؑ

۱۔ اگر آپ لوگوں کو پریشانی لاحق ہو تو ایک نشست میں ۱۳۳ مرتبہ اس دعا کی تلاوت کیجئے پھر آپ اس عمل کا معجزہ دیکھئے۔

دعا:- یا کاشف الکرب عن وجہ الحسین اکشف کربی بحق اخ الحسین۔

مطلب:- اے امام حسین علیہ السّلام کے چہرے سے سختی دور کرنیوالے میرے کرب کو حسین علیہ السّلام کے بھائی عباسؑ کے حق کی قسم دور کر۔

وظیفہ کرنے والے حضرات کی خدمتِ اقدس میں یہ بیان کرتا چلوں کہ حضرت "عباس" کے اعداد ۱۳۳ ہیں اور اسی طرح "باب حسینؑ" کے اعداد بھی ۱۳۳ ہیں۔

۲۔ اس طرح رزق حلال میں خیر، ترقی اور برکت کے لئے بھی جناب عباسؑ کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے ایک وظیفہ اور تحریر کئے دیتا ہوں جس کو ہر روز نماز کے بعد پچیس دفعہ پڑھ لیا جائے۔ انشاءاللہ کچھ

ہی دنوں بعد معجزاتی طور پر آپ کو فائدہ ہوگا۔ وہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

عمل :- عباسؑ اے شہید گروہ مخالفاں

دائم یقین تو ئی پسر شاہ انس و جاں

کُن مظلوم روا تو بحق برادر ہست

اے سر جدا مار یہ سقائے تشنگاں

۳۔ آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید مہدی بحرالعلوم نے اپنی عملیات کی کتاب میں مندرجہ ذیل ایک عظیم وظیفہ تحریر کیا ہے۔ ان کی روایت کے مطابق اس وظیفہ کو زعفر جن پریشانی اور مصیبت کے ایام میں تلاوت فرماتے تھے۔ آپ بھی اس معجزاتی وظیفہ سے فائدہ اٹھائیے۔ اس وظیفہ کو ایک سو تینتیس (۱۳۳) مرتبہ بعد نمازِ صبح پڑھنا چاہیئے۔

یا والینا یا ولی اللہ اغثنی

یا قرۃ عین اسد اللہ اغثنی

قد جئت الیٰ بابک للہ اغثنی

ارحم لنبیؐ لیا اللہ اغثنی

من کان سواک ملک الجنۃ الناس

لا والنا غیرک یا حضرتِ عباسؑ

خاکپائے اہلبیتؑ

سید محمد ذکی الاجتہادی

جنابِ عباسؑ علمدار

بر موقع معجزہ (احمدی)

شہؑ یہ کہتے تھے بہشتی مرے بھائی عباسؑ
کون ساعت تھی جو یہ مشک اٹھائی عباسؑ

معجزہ.. فیض قدم سے ہے تمہارے یہ ہوا
جان بلقیس کی خالق نے بچائی عباسؑ

میں تھی مصروف سجانے میں علم کے ٹپکے
شمع نے چادر بلقیس جلائی عباسؑ

ایک شعلہ سا بھڑکتا تھا عزا خانہ میں
مجھ کو آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی عباسؑ

معجزہ یہ تھا کہ شعلوں کا اثر کچھ نہ ہوا
تعزیہ خانے پر کچھ آنچ نہ آئی عباسؑ

میں نے پہچان لیا جان لیا کون تھا وہ
وہ تمہیں تھے کہ جو یہ آگ بجھائی عباسؑ

لا کے تشریف مرے گھر میں نہ ٹھہرے حضرت
شکلِ زیبا نہ مجھے اپنی دکھائی عباسؑ

عباسؑ ابنِ علیؑ ایک مثالی کردار

مرنے جینے کا سبق سکھلادیا عباسؑ نے جن کے دم سے آج بھی معجزات ظاہر ہوتے ہیں

زینبؑ کا سہارا ہیں سکینہؑ کی مراد
شبیرؑ کی نبضوں کا لہو ہیں عباسؑ

ولادت باسعادت:- وہ دیکھئے عرب کا ریگستان ہے یہ آبادی جو نظر آرہی ہے مسلمانوں کی بستی مدینہ ہے دُو آدمی جو بیٹھے آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ آیئے سنیں کہ کیا گفتگو ہے۔ ایک نے سکوت توڑتے ہوئے دوسرے سے کہا بھائی عقیلؑ میں چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی شجاع قبیلہ میں عقد کروں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے بطن سے مجھے ایک بہادر فرزند عطا کرے۔ بھیّا عقیلؑ مجھ کو اس خاص مقصد کے لئے ایک ایسے فرزند کی ضرورت ہے۔ عقیلؑ نے کہا بھائی علیؑ میں اہلِ عرب کے نسب سے خوب واقف ہوں اس وقت اس مقصد کے لئے قبیلۂ بنی کلاب میں حزام بن خالد کی صاحبزادی فاطمہ میری نظر میں ہے اگر آپ فرمائیں تو سلسلۂ جنبانی کروں (اسرارِ شہادۃ آقا دربندی طبع ایران)

اور پھر ایک روز وہی معظمہ ہاشم کے ایک کچے مکان میں دلہن بن کر آگئیں۔ قدم گھر میں رکھے ہی تھے کہ اس محترمہ نے بچوں کو جمع کیا۔ کہا بچو! اِدھر آؤ دیکھو میں تمھاری خادمہ بن کر آئی ہوں۔ تاریخ میں تو اتنا ہی ہے لیکن ممکن ہے یہ بھی کہا ہو کہ زینبؑ بیٹی میں تمہارے بال سنواروں، حسنؑ

بیٹے اپنی خادمہ کو اشارہ کرو میں تم ہی لوگوں کے لئے خدمت کرنے آئی ہوں یہ بھی ممکن ہے حسینؑ کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا ہو شہزادے آپ بہت پیارے بچے ہیں آپ ہم سے فرمائش کیا کریں۔

اور پھر ۴ شعبان یا، رجب ۲۶ھ کو اللہ نے اس بی بی کی گود بھر دی۔ ایک چاند سا بیٹا خدا نے عطا کیا۔ حسینؑ نے سُنا تو آئے گود میں لیا پیار کیا۔ تیکھی چتون اور بازو دیکھے تو کہا یہ عباسؑ ہے میرا عباسؑ۔ بھرے ہوئے تیور دیکھ کر حسینؑ نے عباسؑ کہا۔ حُسن وجمال نے دنیا والوں سے قمر بنی ہاشم کہلوایا اور ماں ام البنینؑ کے لقب سے یاد کی جانے لگی۔ جب یہ چاند سا بیٹا ماں کی گود میں ذرا غوں غاں کرنے لگا حسینؑ کو دیکھ کر ہمکتا حسینؑ بھائی کو گود میں لے کر بھینچ لیا کرتے۔ بچہ بھائی کی آغوش میں نہ جانے کیوں کھل کھلا پڑتا اور اگر حسینؑ چھوڑ کر جانے لگتے تو انھیں کی طرف دیکھا کرتا۔ یہاں تک کہ حسینؑ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

لڑکپن کا زمانہ اور گھر کے باہر کا ماحول

اس ضمن میں بس صرف ایک صحابی رسولؐ کی زندگی کے دو باب ملاحظہ فرمائیں آپ کو ماحول کا اور لوگوں کی ذہنی کیفیات کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں رسول کریمؐ کے معزز و معروف صحابی حضرت ابوذر غفاری خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے کھڑے ہیں۔ لوگوں کا ہجوم ہے۔ پرشوق نگاہیں ان کی طرف لگی ہیں لوگ ان کی تقریر دلپذیر سننے کے مشتاق ہیں اور وہ لوگوں کو متوجہ کر کے فرمارہے تھے "اے لوگو! جو شخص مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو شخص مجھے نہیں

جانتا ہیں اس کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ابوذر ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ "میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی مثال ہے جو شخص اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے منھ موڑا وہ غرق ہوا"۔ (بحوالہ ینابیع المودہ۔ مصنفہ شیخ سلمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ صفحہ ۴۱۵، ۴۱۶ طبع لاہور) اس کے علاوہ ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر وغیرہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے حال ہی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی سنّی حنفی نے دو جلدیں تالیف فرمائی ہیں کہ نام ہی ان کتب کا ہے۔ سفینۂ نوحؑ اور وہ دونوں جلدیں اسی حدیث شریف پر مشتمل ہیں۔ پھر پتہ چلا کہ رسولِ اکرمؐ کے انھیں صحابی کو حکومتِ وقت نے جلاوطنی کا حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور وہ مقام جو انھیں ناپسند ہے یعنی زبدہ کو چلے جائیں اور خبردار کوئی ان کے ہمراہ نہ ہو اور نہ کوئی ان کو الوداع کہے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو حکومت کے عتاب کا مستحق ہو گا۔ منادی عام ہو گئی۔ (بحوالہ کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲، ۵۴۔ صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۴۷۔ اموی دورِ خلافت مولانا محمد باقر صاحب طبع کراچی صفحہ ۱۳۳) کتابوں میں تو بس اتنا ہی ہے لیکن میں کہتا ہوں اس اعلان عام کا ردّعمل ہونا لازمی تھا۔ ممکن ہے لوگ گلیوں میں کھڑے ہو کر چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں کوئی کفِ افسوس ملتا ہو گا کسی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا ہو گا۔ بُرا ہوا کیا زمانہ ہے۔ ابوذر اصحاب صفّہ کی ایک نمایاں شخصیت ابوذر عابد و زاہد متقی پرہیزگار ابوذر جن کو بنا بر روایت شیخ الاسلام کا لقب خود رسولؐ عطا فرمائیں ان کے ساتھ اور یہ سلوک اور وہ وقت آگیا کہ حضرت ابوذر اپنی بیٹی کو لے کر زبدہ کی سمت روانہ ہوئے بالکل قرین قیاس

ہے۔ لوگوں نے اپنے جھروکوں سے انھیں جاتے دیکھا ہو گا۔ کسی نے آنسو بہایا۔ کوئی آہ بھر کر رہ گیا اور پھر دیکھا کہ کچھ لوگ ان کو الوداع کہنے چلے آرہے ہیں۔ آگے آگے ایک بزرگ باریش میانہ قد پُر جلال بڑی بڑی آنکھیں گھٹا ہوا بدن کاندھے پر عبا یہ ہیں علیؑ ابن ابیطالبؑ ان کے ہمراہ امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت عمار یاسر اور جناب عقیل ابن ابی طالبؑ بھی ہیں۔ مروان نے ان حضرات کو روکنا چاہا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام نے کوڑے سے خبر لی اور ڈانٹ کر بھگا دیا۔

اس ماحول میں ہمارے شہزادے حضرت عباس علیہ السلام کا لڑکپن گزر رہا تھا۔ دن گزر رہا تھا۔ دن گزرتے گئے ابوطالبؑ کا پوتا ابوترابؑ کا بیٹا پروان چڑھتا گیا۔ علیؑ سے کمالاتِ حرب سیکھے۔ حسنؑ کا حُسن لیا اور حسینؑ سے صبر و ضبط کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی بمشکل گیارہ برس کا سن ہو گا کہ ذی الحجہ سنہ ۲۶ھ میں صفین کی لڑائی چھڑ گئی۔ وہ جنگ جو تاریخ میں لیلۃ الحریر کے نام سے مشہور ہے جس میں صبح سے شام تک اور پھر رات بھر تلوار چلتی رہی۔ لوگوں نے اشارے سے نمازیں حالتِ جنگ میں ادا کیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ خون کے فوارے جسموں سے چھوٹ رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک لڑکا بمشکل گیارہ برس کا سن تیکھی چتون ہاتھ میں ایک طویل نیزہ لئے صفوں کو چیرتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی کلیں چھٹی ہوئیں۔ جوتے کے بند کھلے ہوئے اس سن میں بھی یہ رعب ہے کہ کوئی مقابلہ پر نہیں آتا اور یہ تھے حضرت عباس علیہ السلام (ماخوذ از ذکر العباس مصنفہ مولانا نجم الحسن صاحب کراروی صفحہ ۳۴ طبع لاہور)

مروانؑ کی زبان درازی :- وقت گزرتا گیا اور پھر اسی مدینہ میں یہ خبر گرم ہوئی کہ حاکم شام مر گئے

ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا ہے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ کسی نے کہا یہ رند مشرب ہے یہ امیرالمومنین نہیں ہو سکتا۔ کسی نے کہا نہ صرف شراب پیتا ہے بلکہ اوّل درجہ کا زانی ہے۔ پھر حاکم مدینہ کے نام ایک خاص حکم آیا لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ ایک سرکاری پیادہ محلہ بنی ہاشمؑ میں جاتا دکھائی دیا۔ اس نے سیدنا امام حسینؑ کو گھر پر حاکم کا پیغام پہنچایا کہ حضور کو حاکم مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے یاد کیا ہے، کسی اہم معاملہ میں گفتگو کرنی ہے۔ امامؑ عالیمقام نے اس کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ اچھا تم چلو ہم آتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام جب اندر واپس تشریف لے گئے تو بہنوں نے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حضرت زینبؑ کو ان کے گھر جا کر مطلع کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ جناب زینبؑ چادر سنبھالتے ہوئے خود آگئی ہوں اور بھائی سے پوچھا ہو بھیّا آخر کیا بات ہے۔ یہ بھی ممکن ہے امامؑ نے بہن کی چادر دیکھی ہو۔ شام کا بازار نظروں میں گھوم گیا ہو۔ اور منہ دوسری طرف کرکے آنکھ صاف کی ہو۔ کچھ نہیں بہن حاکم نے بلایا ہے رہائے مسلمانوں یہ کیسا وقت آگیا اولاد رسولؐ اور دربار میں طلب کرنا) جاؤں گا اور یقیناً جناب زینبؑ نے بھائی عباسؑ کو آواز دی ہوگی۔ عباسؑ ذرا دیکھنا بھائی کو حاکم نے بلایا ہے۔ اور حسینؑ جانا چاہتے ہیں اور میرا دل کہتا ہے کہ عباسؑ نے کہا ہوگا بہن فکر نہ کرنا میں بھی ساتھ ہوں۔

تھوڑا وقت گزرا لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ چند جوانوں کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے۔ دروازہ پر پہنچ کر کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جاتا ہوں ممکن ہے کہ حضرت عباسؑ نے عرض کیا ہو آقا یہ غلام کس لئے آئے ہیں اور آقائے نامدار نے ارشاد فرمایا ہو کہ مجھے بلایا ہے میں جاتا ہوں۔ البتہ اگر میری آواز بلند ہو تو

تم لوگ بیشک اندر آجانا۔

امام عالیمقامؑ اندر تشریف لے گئے۔ حاکم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ پہلو میں جگہ دی ایک طرف مروان بھی بیٹھا تھا۔ یہ مروان ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا اور حضرت شیخین نے نہ صرف اس حکم (جلاوطنی کو) برقرار رکھا تھا۔ بلکہ فاصلہ میں اور بھی توسیع کر دی تھی۔ اور جس کو حضرت عثمان نے اپنے دورِ حکومت میں واپس بلا کر وزیر بنا لیا تھا۔ بہر حال رات کا وقت ہر طرف سناٹا چھایا ہوا۔ قندیل روشن تھی۔ گفتگو شروع ہوئی۔

حضور آپ کو اس وقت زحمت اس لئے دی ہے کہ حاکم شام کا انتقال ہوگیا۔ اس کی آپ کو خبر ہے۔ اس کی جگہ ان کا لاڈلا بیٹا یزید سر بر آرائے مملکت ہوا ہے۔ یہ خط آیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ امام حسینؑ نے خط دیکھا اس میں طلب بیعت کی تاکید تھی۔ آپ نے فرمایا یہ معاملہ بیعت کا ہے اس وقت کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کل مسجد میں لوگ جمع ہوں گے اس وقت یہ موضوع کچھ زیادہ بہتر رہے گا۔

حاکم نے کہا جیسا ارشاد بجا ہے مجھے کچھ عذر نہیں۔

امام حسین علیہ السّلام چلنے ہی والے تھے کہ مروان نے چپکے سے کہا کہ اگر حسینؑ اس وقت چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ گفتگو حضرت امام علیہ السّلام کے سمع ہمایوں میں پہنچی۔ آپ نے بلند آواز سے کہا اے زنِ زانیہ کے بیٹے تیری یہ مجال کہ فرزند رسولؐ سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ آواز کا بلند ہونا تھا کہ جوانانِ بنی ہاشم تلواریں سونتے ہوئے درانہ گھس آئے۔ ان آنے والوں میں سب سے آگے ایک بلند قامت جوان ہے۔ غصّہ سے منھ سرخ آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ ہاتھ میں دو دستی تلوار ہے اور یہ

اور بچوں کی ڈھارس ہو تمھارے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ تم اپنے مقام پر رہو۔

جناب قاسمؑ:- جناب قاسمؑ ابن حسنؑ ۱۳، ۱۴ برس کا سن کرتا پہنے، تلوار حمائل کئے میدان میں گئے شام کے مشہور پہلوان ارزقِ شامی کے بیٹوں کو مارا پھر اس کو بھی واصلِ جہنم کیا۔ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے۔ بنی ہاشم کا یہ کمسن سپاہی چاروں طرف سے گھر کر لڑتے رہے۔ تلوار پر تلوار پڑتی رہی لوہے کے ٹکراؤ سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ دھوپ تیز تھی پسینہ میں تر بہ تر تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ گھوڑا بھی ہانپ رہا تھا۔ کوئی نیزہ کا وار کرتا یہ خالی کر دیتے۔ کوئی تلوار چلاتا کبھی کو ڈھال پر روکا کسی پر حملہ کیا اور اس عالم میں کتنوں کو واصلِ جہنم کیا۔ خود بھی زخمی ہوتے گئے اور خون بھی زیادہ بہہ گیا۔ گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا۔ دشمنوں نے جو یہ عالم دیکھا حوصلے بڑھ گئے۔ قریب آ کر وار کرنے لگے اور حسنؑ کا یہ چاند شام کی فوج کے بادلوں میں گھر گیا۔ کمسنی کا یہ عالم کہ آواز دی یا عماہ ادرکنی۔ اے چچا مدد کیجئے۔ حسینؑ نے یہ آواز سنی بیقرار ہو گئے عباسؑ کو ساتھ لیا دونوں بھائی اپنے بھتیجے کی مدد کو پہنچے۔ درمیان میں فوج حائل ہو گئی۔ ایک طرف سے عباسؑ نے بڑھ کر حملہ کیا دوسرے طرف سے امام عالیمقام نے اور فوج پیچھے ہٹ گئی۔ قاسمؑ گر چکے تھے۔ اب جو فوجیں اِدھر سے اُدھر ہوئیں حسنؑ کے اس لال کو زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔ جب تک ہوش رہا آواز دیتے رہے اور بالآخر حسینؑ اور عباسؑ نے بھتیجے کے جسم کے ٹکڑے پائے۔

رخصتِ آخر:- وقت گذر گیا۔ یہانتک کہ حسینؑ تنہا رہ گئے اور عباسؑ سے نہ رہا گیا۔ قدموں پر سر رکھ کر کہا کہ مولا اب تو اجازت مرحمت فرمائیے ارشاد ہوا عباسؑ تم علمدار لشکر ہو۔ زینت لشکر ہو۔ عرض کیا

آفتاب تو لشکر ہی نہ رہا جس کی زینت ہوتا۔ اتنے میں بھتیجی سکینہؑ بنت الحسینؑ پر نظر پڑی۔ گود میں اٹھا لیا۔ کہا بی بی تم کو بہت پیاس ہے نا بیٹی میری سفارش بابا سے کر دو۔ حسینؑ نے کہا اچھا اب اندر جا کر بہنوں سے رخصت تو لے آؤ۔ اندر تشریف لے گئے۔ خیمہ کے اندر ایک کہرام مچ گیا۔ بی بی زینبؑ نے کہا ایک روز بابا میرے بازوؤں کو بار بار بوسے دے رہے تھے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا بیٹی تیرے بازوؤں میں رسّی باندھی جائے گی۔ میں سوچا کرتی تھی جس کا جیسا بھائی شیر دلاور موجود ہو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کون دیکھ سکتا ہے کہ بازوؤں میں رسی بندھے۔ مگر بھیا اب معلوم ہو گیا کہ وہ دن آ گیا۔ جاؤ عباسؑ خدا کے سپرد کیا۔ غرض سکینہؑ سے مشک لے کر چلے۔ کاندھے پر علم ہاتھ میں نیزہ کمر میں تلوار۔

تین دن کا بھوکا پیاسا سپاہی اعزا۔ احباب بھائی بھتیجوں کا داغ اٹھائے ہوئے عباسؑ چلے۔ مشک دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ دریا کا ارادہ ہے اور یہ گھوڑا اڑائے ہوئے ساحل کی طرف بڑھتے چلے۔ لشکر یزید ملعون بیچ میں حائل ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مورچہ ٹوٹ گئے۔ ہمتیں پست ہو گئیں۔ نہر پر عباسؑ کا قبضہ ہو گیا۔ ممکن ہے بعض حضرات اس تاریخی حقیقت کو افسانہ طرازی یا خلاف عقل ہونے کا الزام دیں ان کے وسوسۂ شیطانی کے ازالے کے لئے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہیبت بہت بڑی چیز ہے جن لوگوں کو ہندو مسلم فسادات سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاں کوئی نامی گرامی آدمی کی خبر سنی اور بھگدڑ مچ گئی۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ یہی حال وہاں پر بھی تھا۔ حضرت عباسؑ کی شہرت جواں مردی سارے عرب میں پھیل چکی تھی۔ ان کی جرأت کا لوہا مانا جاتا تھا انکی تلوار کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ پس اگر نہر پر اس تنہا سپاہی نے قبضہ کر لیا تو اس میں تعجب کی

کیا بات ہے۔ خصوصاً جبکہ مخالفین صرف پیسے اور جاہ و حشم کے طالب تھے۔ یہاں دنیا سے دل سیر تھا۔ رضائے الٰہی پیش نظر تھی وہاں صرف دنیا نظر میں تھی۔ پس اگر جان ہی نہ ہوتی تو جاہ و حشم کا کیا ہوگا۔ ان حالات میں عموماً دنیا کے بندے دنیا کی خاطر میدان چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔

شہادت:- دشمنوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے شیرِ خدا کے شیر نے نہرِ فرات میں گھوڑا ڈال دیا اس کی باگ ڈھیلی کر دی کہ پانی پی لے خود بھی سخت پیاسے تھے چلو میں پانی لیا اور فوجِ یزید کی طرف اچھال دیا کہ دیکھو ہم تمھارے پہرے کے باوجود اپنی قوت سے فرات تم سے چھین سکتے ہیں۔ مشک بھری اور نکلنے لگے۔ بھاگا ہوا لشکر پھر جمع ہو گیا۔ ایک تو تھکے ہوئے دوسرے پیاسے اور چڑھائی کی طرف آنا یوں ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔ حضرت عباسؑ ترائی سے نکلے۔ کوشش تھی کہ کسی طرح بچوں تک پانی پہنچ جائے مگر افسوس کہ ایک شخص نے کمین گاہ سے داہنے ہاتھ پر وار کیا وہ ہاتھ کٹ کر گرا اِدھر بچے جمع ہو کر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا علم سرنگوں ہوا مگر ننھے بچوں نے دعا مانگی کہ اللہ میاں ہمارے چچا کی خیر ہو۔ عباسؑ نے گرتے ہوئے علم کو دوسرے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ بچوں نے علم کو بلند ہوتے دیکھا خوش ہو گئے۔ ایک ہاتھ سے علم کو سنبھالا، جنگ کریں مشک کو سنبھالیں، گھوڑے کی باگ تھامیں۔ غرض ایک ہاتھ سے کیا کریں، جب کہ ایک ہاتھ کٹ چکا تھا دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ دور سے قریب آ گئے۔ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے۔ ناگاہ عباسؑ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب مشک کو دانتوں سے تھام لیا، تلوار تیر اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک تیر نے مشک کو چھیدا۔ پانی بہہ گیا۔ عباسؑ کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اب جا کر کیا کروں گا۔ گھوڑے کا رُخ فوجِ یزیدؔ کی طرف پھیر دیا۔ ایک آہنی گرز پڑا۔

سنبھلا نہ گیا۔ ذرا خیال فرمائیے زمین پر کس طرح آئے ہوں گے۔ ہاتھ موجود نہ تھے کہ ٹیک دیتے۔ آواز دی کہ آقا حسینؑ میرا آخری سلام قبول ہو حسینؑ نے جب یہ آواز سنی کمر کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد سرہانے پہنچ گئے دیکھا کہ برابر کا بھائی زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ فرطِ محبت سے گھوڑے سے اپنے آپ کو گرا دیا۔ سر کو گود میں رکھا۔ عباسؑ نے خواہش ظاہر کی زیارت سے محروم ہوں ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے دوسری میں خون بھرا ہے۔ امامؑ نے خون صاف کیا۔ عباسؑ نے وصیت کی کہ آقا میری لاش خیمے میں نہ لے جائیے گا مجھے سکینہؑ سے شرم آتی ہے (سرعۃ المصائب صفحہ ۱۸) کچھ وقت اور گزرا دفعتاً نقارے بجنے لگے۔ میدانِ جنگ میں ایک شور برپا ہوا ہر سپاہی خوشی کے نعرے لگا رہا تھا۔ کوئی نیزہ چمکا رہا تھا۔ کسی نے تلوار صاف کر کے نیام میں رکھی۔ ہر طرف گرد و غبار تھا۔ آواز گونج رہی تھی "قَدۡ قتل الحسینُ بکربلا" اور حسین علیہ السّلام شہید ہو گئے۔

آفتاب کو گہن لگا۔ آندھی سیاہ چلنے لگی پھر عمر سعدؔ نے جاہلیت کی روایت کے مطابق نعشوں کو پامال کرنے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کا انتخاب ہوا ان کی نعل بندی ہونے لگی۔ یہ خبر ہر ایک نے سنی۔ حُرؑ کے لشکر میں چہ میگوئیاں ہوئیں چند سر بر آوردہ سوار سامنے آئے تلواریں تولے ہوئے بگڑ کر بولے ہم اپنے سردار کی یہ توہین نہیں برداشت کریں گے خبردار جو حُرؑ کے لاشے کی طرف نگاہ کی۔ عمر سعد نے کہا اچھا حُرؑ کی لاش الگ کر لو۔ پھر تو ہر ایک کی جرأت بڑھ گئی لوگ آتے گئے اور اپنے رفقاء اعزا احباب۔ ہم وطن۔ ہم قبیلہ لوگوں کی لاشیں اٹھانے کا مطالبہ کرتے اور اجازت ملنے پر لاش الگ کر لیتے۔ یہاں تک کہ شمر ملعون نے جس نے

امام حسین علیہ السلام کا سر جسمِ مبارک سے الگ کیا تھا آگے بڑھا اور خشونت سے عمر سعد ملعون کو مخاطب کر کے بولا تجھے نہیں معلوم کہ عباسؑ میرا بھانجہ ہے پھر تو نے اس کا پاس نہ کیا اور کیونکر نعشوں کی پائمالی کا حکم دیا۔ اگر جیتے ہوتے ہوئے عباسؑ کی لاش پائمال ہوئی تو میں ..... دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں گا یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ اے حاکم تو میری رکابوں کو سونے سے بھر دے میں نے وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکا۔ لیکن خبردار جو عباسؑ کی بے حرمتی ہوئی۔ عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اچھا عباسؑ کی لاش کو بھی الگ کر دو۔

مگر ہائے افسوس کوئی نہ تھا کہ کہتا کہ حسینؑ ہمارے نبیؐ کا نواسہ ہے۔ حسینؑ اس کا نواسہ ہے جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں ان کی لاش کو بھی پائمال نہ کرو اور اس کو بھی بچالے۔

اسلام والو واہ واہ کلمہ رسولؐ اللہ کا
پڑھ پڑھ کے کاٹا ہے گلا ابنِ رسولؐ اللہ کا

یہ تھا ذکر اس عباسؑ جری کا جن کا مرتبہ ان لوگوں سے پوچھو جو ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ جہاں آئے دن معجزات ہوتے رہتے ہیں۔ جن کو اس کتاب میں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت عباسؑ کے بارے میں ایک قول یہ ملتا ہے کہ حضرت عباسؑ۔ عادل، متقی، ثقہ اور پاک طینت جواں مرد تھے۔ آپ ائمہ طاہرینؑ کی فقہہ اولاد میں ایک زبردست فقیہہ تھے (تنقیح المقال ۱۲۸) اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ خاتونِ جنت بی بی فاطمہ زہراؑ نے ان کو اپنا فرزند کہا ہے (اسرار الشہادہ صفحہ ۳۴۰)
سلام ہو علیؑ کے اس دل بند عباسؑ پر۔

حضرت عباسؑ نے کربلا کے میدان میں دکھایا کہ حق کا ساتھ یوں

دیے ہیں۔ یہی شمر تھا جس نے آپ کو ہر طرح سے خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی افسری، دولت، شوکت، جاہ و حشم دوسری طرف فاقہ پیاس زخم اور پھر دنیا سے رخصتی لیکن حق کے مقابلہ میں آپ نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔ پیاسا رہنا گوارا کیا اپنی زوجہ کی دربدری پسند کی۔ لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑا ہمارے لئے ایک کامل نمونہ ہیں۔ عباسؑ۔ آج بھی ان کی پیروی دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

مادۂ تاریخ شہادت حضرت عباسؑ علیہ السلام

مولانا رومؔ نے حضرت عباسؑ علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ لفظ "دین" سے "دال" کو نکال کر مرتب کی ہے۔

وہ کہتے ہیں "سر دیں را برید بے دینے"

مظفر حسین اسیر (مرحوم) شاعر دربار واجد علی شاہ تاجدارِ اودھ نے "سید بے ید" سے تاریخ نکالی ہے۔ یاس آروی بہاری نے لفظ حسینؑ سے "ح" کو علیحدہ کر کے حروف منقوطہ سے الگ اور لفظ غیر منقوطہ سے الگ تاریخ نکالی ہے۔

اگرچہ ان میں ایک عدد کم ہے۔ لیکن بلاغت کے لحاظ سے قابلِ قدر ہیں۔

حضرتِ عباسؑ کی کربلا میں قربانیاں

ویسے تو کربلا میں ہر مجاہد نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور بعض نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو قربان کر دیا۔ اجتماعی قربانی پیش کرنے والوں میں حضرت عباسؑ کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

آپ کے حقیقی بھائیوں میں جناب عبداللہ عمر پچیس ۲۵ سال جناب جعفر

عمر تیس ۳۰ سال اور جناب عمران عمر اکیس ۲۱ سال ان تینوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائیوں کے حکم پر مسکراتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اور ان تمام کے آخر میں جناب عباسؑ نے اپنے اس حسین و جمیل اور نوجوان فرزند کو جو انتہائی عبادت گزار اور پابند تہجد تھا جس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر بھائی کی خدمت میں حاضر کیا۔ اور ان پر سے تین بار قربان کر کے میدانِ جنگ میں شہید ہونے کے لئے بھیجدیا ان صاحبزادے کا نام محمدؑ تھا۔ اور ان سے ابو الفضل عباسؑ کو اس قدر شدید محبت تھی کہ ایک لمحہ کو بھی خود سے جُدا نہ کرتے تھے۔

جناب عباسؑ کا اعلیٰ کردار

حقیقت یہ ہے کہ ایک مجاہد کے بلند کردار کا اندازہ صرف میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ کربلا کی جنگ میں تقریباً ہر فرد کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی شہادت یقینی ہے اور اس یقینی موت کے بعد بھی اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آئے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔

یا بار بار اس مجاہد کو امان کے موقعے دیئے جائیں یا میدانِ جنگ سے چلے جانے کو کہا جائے اور وہ ان تمام مراعات کو ٹھکرا دے یہ بہت بڑے ظرف کی بات اور اعلیٰ کردار کا نمونہ ہے۔ تاریخ کے آئینہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو سر فہرست یہ واقعہ نظر آتا ہے۔ عبداللہ ابن ابی محل جناب ام البنین کا بھتیجا تھا۔ جس کا شمار رؤسائے کوفہ میں ہوتا تھا۔ اس نے اولادِ ام البنین کے لئے ابن زیاد لعین سے فرمان لکھوا کر اپنے غلام کرمان کے ہاتھوں کربلا میں جناب عباسؑ کو بھجوایا تھا جس کو دیکھ کر امام حسینؑ نے بھی جناب عباسؑ کو رخصت ہونے کی اجازت بخوشی دیدی تھی۔ لیکن جناب عباسؑ نے جو اس امان نامے

کا جواب دیا ہے وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے ماموں زاد بھائی سے ہمارا اسلام کہہ دینا اور کہہ دینا کہ ہم کو اس امان نامہ کی ضرورت نہیں۔ امان اللہ خیر من امان ابن سمیتہ۔ یعنی ابن زیاد کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہ ہے عظیم کردار کی بات۔

اس طرح آپ کو شب عاشور بھی امام عالی مقام نے ایک اور موقع دیا یعنی جس وقت امام حسینؑ نے اپنے تمام رفقاء سے بیعت اٹھائی چراغ گل کردیا اور عام اجازت دیدی کہ جس کا دل چاہے اس تاریکی میں چلا جائے۔ یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں باقی کسی کے ساتھ کوئی تعرض نہ ہوگا تو اس وقت بھی جناب عباسؑ سب سے پہلے جواب دیتے ہیں۔ "خدا ہمیں وہ روزِ بد نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، اگر ہم کو ستر بار بھی موت آجائے اور زندہ کئے جائیں تو ہمارا یہی جواب ہوگا"، اور آپ کے تمام بھائیوں نے آپ کے اس جواب کی تائید کی۔ اسی طرح روز عاشور بھی آپ کو اس کا موقع ملا۔ اور امام عالی مقام نے یہ فرما کر کہ اگر عباسؑ تم دشمن کے لشکر میں چلے گئے ہوتے تو زینبؑ کے سر سے رِدا اتارنے کی کسی میں جرأت نہ ہوتی لیکن جناب عباسؑ نے اس وقت بھی عجیب جواب دیا۔

"آقا آج ہی کے دن کے لئے تو والدہ ماجدہ نے میری پرورش کی تھی اور شیرِ خدا نے یہ وعدہ لیا تھا کہ اپنے بھائی حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا" تو یہ ہے جناب عباسؑ کا وہ بلند کردار جس کے باعث ان کی اپنے بھائی سے وفاداری ایک ضرب المثل بن کر رہ گئی ہے۔

قمر بنی ہاشم کا خاندان

انسان کو بہت کچھ اپنے اسلاف اور اپنے ماحول سے ملتا ہے۔ قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ کا خاندان اعلیٰ صفات سے مرصع تھا اور ان کا خاندان و ماحول شخصیت ساز تھا۔ حضرت عباسؑ نے اپنے خاندان اور اپنے ماحول سے بہترین صفات وراثت میں پائے آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے:۔

قمر بنی ہاشمؑ ابن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن موسیٰ ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نصر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان۔ شیعہ نقطۂ نظر سے سلسلۂ نسب کے تمام افراد موحد تھے۔ علماء قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وتقلبك فی الساجدین۔

یعنی حضرت آدمؑ سے حضرت عبد اللہ تک جن جن صلبوں سے نور رسالتؐ منتقل ہوتا رہا ہے وہ سب خدا پرست تھے اور اپنے وقت کے نیک انسان تھے۔ رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ کی کتب سیرت میں ان کے اسلاف کے عقائد اور سماجی و اخلاقی خدمات کا ذکر آتا ہے (۱) حضرت بنی ہاشم کے جد امجد حضرت ابو طالبؑ صرف یہی نہیں کہ حضرتِ رسولِ خداؐ کے مربی اور چچا اور امیر المومنینؑ کے والد ماجد تھے بلکہ اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی عرب کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ وہ مکہ کے سردار تھے۔ عقیدۂ توحید انھیں حضرت ابراہیمؑ سے وراثت میں ملا تھا۔ حالانکہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کے جادے سے دور جا پڑا تھا اور شرک کے دلدل میں پھنس گیا تھا۔ لیکن

حضرت ابو طالب نے اس کثیف و تاریک ماحول میں بھی اپنے سینہ میں توحید و عرفان کی شمع روشن رکھی اور اپنے عہد میں اسرار الٰہیات کے نکتہ داں تھے۔ شعر و سخن۔ خطابت و حکمت میں کوئی اس زمانے میں ان کا مثل نہ تھا حضرت عبد المطلب کو ان کی فہم و فراست، علم و ادب اور عقیدہ و نظر پر بڑا اعتماد تھا اس لیے انھوں نے اپنی وفات کے بعد امانت الٰہی یعنی سردارِ انبیاء کی کفالت ان کے ذمہ کی۔ انھوں نے انتہائی خلوص و عقیدت سے سردارِ انبیاء کے عہد طفولت میں اپنے فرائض انجام دیئے اور جب اللہ نے حضرت کے سر مبارک پر ختم نبوت کا تاج رکھا تو حضرت ابو طالبؑ نے ایک جان نثار و ماہر فوج افسر کی طرح رسولِ خدا کی حفاظت کی اور اپنے سیاسی و معاشرتی اثر سے سردار انبیاء کو مخالفین کے ہر طرح کے گزند سے بچاتے رہے۔

وہ عرب کے پہلے شاعر اعظم تھے۔ جنھوں نے اپنی ساری کائنات نظم رسولؐ کی سیرت نگاری اور اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور مخالفین کے حملوں سے دفاع کے لیے وقف کر دی۔ ان کا دیوان بتاتا ہے کہ عرفان کے دریا کے وہ کتنے بڑے غواص تھے اور ان کے پہلو میں کتنا بڑا دل تھا۔ عزم راسخ، ہمت بلند صبر و رفعت میں ان کی حیثیت ایک کوہ گراں کی تھی قریش کی مخالفت کے طوفان انھیں جناب رسولِ خداؐ کی خدمت سے ذرا سا بھی پیچھے نہ ہٹا سکے۔ خدا پر یقینِ کامل اور رسولِ خداؐ کا عشق صادق اور اشاعتِ دین میں قربانی و ایثار کا جذبہ حضرت ابو طالبؑ نے اپنے بعد اپنی نسل اور ہر حق پرست کے لیے وراثت میں چھوڑا۔ حضرت قمر بنی ہاشم کو اپنے دادا سے اعلیٰ ملکات کی وراثت پوری طرح ملی۔ حضرت عباسؑ کی دادی حضرت فاطمہ بنت اسد بھی اپنے اعلیٰ صفات کی وجہ سے تاریخ اسلامی میں بڑے احترام سے یاد کی جاتی ہیں۔ حقیقی ماں کی طرح انھوں نے سردار انبیاء کی پرورش کی

اسلام کے عہدِ اوّل میں جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ان میں فاطمہ بنت اسدؑ کا نام سرِفہرست ہے۔ رسولِ خداؐ اپنی چچی کو ماں کا درجہ دیتے تھے۔ (۲) حضرت عباسؑ نے جیسا نامور باپ پایا اس کے مقام کے تعین میں تیرہ سو سال سے علما حدیث و تفسیر و کلام و فقہ و ادب و حکمت کوشاں ہیں۔ اور ان کا سفر ابھی منزل کی تلاش میں ہے۔ عہدِ رسولؐ میں ان کے معصوم بچپنے اور عہد جوانی کے آثار اس طرح درخشاں ہیں جیسے شب ماہ میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں۔ ان کی خدمات لافانی۔ ان کا علم و فضل بے مثال اور انکی قربانیاں جاودانی ہیں۔ صاحب وحی کی تعبیر ہی حضرت علیؑ کے کمالات و خدمات سی لافانی مصوری کرسکتی ہے۔ معجز بیان پیغمبر کا ارشاد ہے۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود پر حضرت علیؑ کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت کے برابر ہے یا جنگ خیبر کے متعلق حضرت نے فرمایا تھا۔

میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور رسولؐ کا محبوب ہوگا وہ بغیر فتح کے میدان نہ چھوڑے گا۔ (تاریخ طبری ۲۰۔۹۲) رسالتمآبؐ کے ایمانی دین کی خدمت اور تشریح میں حضرت علیؑ نے اتنا کام کیا ہے کہ اگر رسولِ خداؐ کے لئے آدمِ اوّل کی تعبیر صحیح ہو تو حضرت علیؑ کو آدمِ ثانی کہنا بجا ہوگا اور اگر رسولِ خداؐ کے لئے معلم اوّل کا لقب اختیار کیا جائے تو حضرت علیؑ کے لئے معلمِ ثانی کے سوا کوئی موزوں لقب نہ ہوگا۔

(۳) حضرت عباسؑ کو اپنے بے نظیر باپ سے بہت سے صفات وراثت میں ملے ان صفات میں نمایاں تر صفات قائد کے ساتھ حیرت ناک فداکاری اور بے مثال اطاعت و جان نثاری کی کہ حضرت علیؑ جس طرح رسولِ خداؐ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضرت عباسؑ اسی طرح امام حسینؑ کی قیادت میں اپنی زندگی کو قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عباسؑ نے ماں بھی بڑی خوش صفات پائی۔ فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ ابن وحید ابن کعب ابن عامر ابن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابن بکر ابن ہوازن کتنا پیارا نام ہے فاطمہؑ اگرچہ معصومۂ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسولِ خداؐ کی جگہ پُر نہیں ہوسکتی تھی لیکن فاطمہ بنت حزام کے ساتھ حضرت رب العزت کی مرضی تھی کہ انھیں معصومۂ عالم کی سیرت کی اتباع کی توفیق دی۔ اور ایک بڑے مثالی گھر میں وارد ہوکر وہ اجنبی نہیں رہیں بلکہ اس گھر کی سعادت مند رکن بن گئیں۔ حضرتِ عقیل سے امیر المومنینؑ نے جب اپنے عقد کے متعلق مشورہ چاہا تھا تو انھوں نے حضرت فاطمہ بنت حزام کا نام لیا اور کہا کہ عرب میں ان کے اسلاف سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی دوسرا خاندان نہیں ہے۔ اس خاندان کے مشاہیر ابو درار عامر ابن ملک ملاعب الاسنۃ اور عامر ابن طفیل ابن مالک اور عروۃ او حالؒ ابن عقبہ ابن جعفر اور طفیل فارس قرزلؒ وغیرہ ہیں۔ عربی تاریخ جن کی بہادری اور فراسیت سے خوب واقف ہے۔ حضرت فاطمہ بنت حزام جن کی کنیت ام البنین تھی۔ ازدواج امیر المومنینؑ میں سیدۂ عالم کے معرفت و فضل و خلوص و خدمات و شفقت و محبت و اطاعت میں مقام رکھتی تھیں۔

انھیں ۲۶ھ میں حضرت عباسؑ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے چاروں فرزند عباس علمدارؑ، عبداللہؑ، جعفرؑ، عثمانؑ کربلا میں کام آئے۔ حضرت ام البنینؑ کو اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر و ناز تھا۔ اپنے مشہور مرثیے میں ان کی بے مثال بہادری کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے۔

حضرت عباسؑ کو چچا بھی ایسے ملے جن کا نام عزت و وجاہت کی فہرست میں نمایاں جگہ پر ملتا ہے۔ آپ کے چچا کا نام "طالب" تھا۔ آپ کے دادا کی کنیت انھیں کے نام سے ابو طالبؑ تھی۔ روضہ کافی کلینی میں امامِ جعفر صادقؑ

کا ارشاد درج ہے کہ طالبؑ بدر سے پہلے ہی اسلام کی سعادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ قریش ان کو اپنے ساتھ جنگ بدر میں جبراً لائے۔ رسولِ خداؐ قریش کی اس شرارت سے واقف تھے آپ نے اپنی فوج کے سرداروں سے کہہ دیا تھا کہ قریش بعض بنی ہاشمؑ اور بعض دوسرے قبائل کے لوگوں کو جبراً ساتھ لائے ہیں۔ اگر کوئی انھیں پائے تو قتل نہ کرے۔

(طبری ا ص ۲-۲۸۲)

بدر میں لایا جانا تاریخ بتاتی ہے۔ نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں تھے اور نہ وطن زندہ واپس آئے۔ یہ مشہور کیا گیا کہ ان کا گھوڑا انھیں دریا میں لے کر چلا گیا اور وہ غرق ہو گئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ قریش انھیں جب جبراً بدر میں لائے اور کسی طرح اپنا ہم خیال نہیں بنا سکے تو انھیں ہلاک کر دیا۔ رسولِ خداؐ کو جب معراج ہوئی اور آپ عرش تک پہنچے تو آپ نے وہاں چار نور دیکھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ پروردگار یہ کون نور ہیں۔ ارشاد باری ہوا۔ یہ عبدالمطلبؑ ہیں اور یہ ابوطالبؑ ہیں، یہ تمہارے باپ عبداللہ ہیں۔ اور تمہارے بھائی طالبؑ ہیں۔ (روضۃ الواعظین فتالؒ)

اگرچہ ہم طالبؑ کے خاتمہ سے واقف نہیں ہیں اور ان کی زندگی کی تفصیلات کا ورق تاریخ سے گم ہو گیا ہے۔ پھر بھی جو اشارے ملتے ہیں ان سے انکے صبر و استقامت اور قبول حق رائے کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے چچا حضرت عباسؑ کے جناب عقیلؑ ہیں یہ بھی اسلامی دعوت و تحریک کے آغاز ہی میں اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ عہد رسالتؐ میں ان کی خدمات سے تاریخ خاموش ہے۔ لیکن جناب رسولِ خداؐ کے ایک فقرہ سے کسی قدر یہ خلاء پُر ہو جاتا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا تھا۔ اِنّی اُحبّکَ حُبّین حُبّاً لکَ وَحبا طب ابی

طالب ایاک (سیرۃ حلبیہ ا ص ۳۰۴-۲) عقیل میں تم سے دوہری محبت کرتا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی محبت ہے اور اس لئے میں تم سے محبت کرتا ہوں کہ ابوطالبؑ تم سے محبت کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ بڑے بلند نظر انسان تھے۔ اچھے صفات ہی کسی کی جگہ ان کے دل میں بنا سکتے تھے۔ پھر اس پر جناب رسولِ خداؐ کی محبت کا اضافہ ان کے اعزاز و احترام کی ایک سند ہے۔ جناب رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد تاریخ نے جناب عقیلؑ کو بھلا دیا۔ اور اگر وہ کبھی یاد آئے تو افترا پردازی اور بہتان کے لئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت علیؑ کے بھائی تھے۔ دشمن قلم کو اگر اطمینان ہوتا کہ وہ حضرت علیؑ کے سایہ پر تہمتیں لگائے گا اور لوگ اسے قبول کرلیں گے تو وہ اسے بھی داغدار کرنے کی کوشش کرتا۔ عقیلؑ حضرت علیؑ کے بھائی تھے ان کے مشن کے حامی تھے۔ دشمن کی طرف سے ان کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرنا توقع کے خلاف نہیں تھے۔

پھر جناب عقیلؑ میں حضرت علیؑ کا سا صبر و ضبط نہ تھا وہ دشمن کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ وہ کافی حاضر جواب تھے۔ عرب کی تاریخ سے واقف تھے اگر کوئی ان کے سامنے منہ کھولتا تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے تھے اور اس کا اور اس کے خاندان کا پول کھول کے رکھ دیتے تھے۔ اس لئے دشمن بھی ان پر تہمتیں لگاتا۔ (نکہت البیان صفدری ص ۲۰۰) لیکن فن درایت و تنقید جھوٹ کے چہرے سے فریب کی نقاب کھینچ لیتا ہے اور جھوٹ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً امیر المومنینؑ کی زبانی یہ مشہور کیا گیا کہ میں بچپنے ہی سے مظلوم رہا۔ عقیلؑ کی آنکھوں کو جب آشوب ہو جاتا اور ان کی آنکھ میں دوا ڈالی جاتی تو وہ کہتے کہ جب تک علیؑ کی آنکھ میں دوا نہ ڈالی جائے گی میں دوا نہ ڈلواؤں گا۔ مجبوراً میں لیٹ جاتا اور میری

آنکھ میں دوا ڈالی جاتی۔ حالانکہ مجھے آشوب چشم کی شکایت نہ ہوتی۔ تنقید کو اس جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے میں ذرا بھی فنی ملکہ سے کام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معمولی توجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹی روایت ہے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت عقیلؑ کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ کون احمق یہ مانے گا۔ کہ ۲۰ سال کا یہ جوان اپنی آنکھوں میں دوا ڈلوانے سے انکار کرے گا۔ جب تک اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھ میں بے ضرورت دوا نہ ڈلوالے۔

اس طرح واقعات کی غلط تفسیر سے ان سے غلط نتیجہ نکال لیا جاتا ہے حضرت عقیلؑ نے جناب امیر المومنینؑ سے ان کی حکومت کے زمانے میں اپنی معاشی تنگی کی بار بار شکایت کی۔ بیت المال پر تمام مسلمانوں کا حق برابر تھا ان کے علاوہ عوام میں دوسرے لوگ بھی تھے۔ بیت المال کے حصے سے ان کے مصارف پورے نہیں ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ ان کی معاشی مدد کرتے۔ ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی مجبوری کے اظہار کے لیے ایک تمثیلی طریقہ اختیار کیا۔ لوہا آگ میں تپایا جب وہ آئے تو ان کے جسم کے قریب لے گئے ان کے جسم نے لوہے کی آنچ محسوس کی حضرت علیؑ نے اپنی ذمہ داری کو اس تمثیل کی مدد سے بیان فرمایا دنیا کی آگ کی تپش برداشت نہیں کی جاسکتی۔ میں تقسیم میں کوئی رعایت کر کے جہنم میں خدائے ذوالجلال کی جلائی ہوئی آگ کی تاب کہاں لاسکتا ہوں۔ امیر المومنینؑ سادے الفاظ میں انھیں مایوس کر سکتے تھے کہ میرے پاس بیت المال میں آپ کے حصے کے علاوہ اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ لیکن امیر المومنینؑ کو اپنے گھر سے مثال قائم کرنا تھی کہ پھر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہو کہ وہ

اپنی معاشی ابتری سے مجبور ہو کر حکومت سے اصرار کرے کہ وہ اپنی عادلانہ تقسیم سے ہٹ جائے اور اس کے ساتھ کوئی خصوصی رعایت کرے۔

جناب عقیل پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ حالانکہ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے ابن ابی الحدید کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے پاس نہ گئے۔ سید علی خاں نے درجات رفیعہ میں یقین کے ساتھ یہ کہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں ہرگز معاویہ کے پاس نہیں گئے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جیسے دوسرے لوگ مختلف ضرورتوں میں شام جاتے تھے۔ جناب عقیل بھی گئے انھوں نے شام کے دربار میں اموی حکومت کو کبھی نہ سراہا۔ بلکہ جب موقع آتا اس پر اعتراضات کی بوچھار کرتے اور حضرت علیؑ کے حق میں حمایت کرتے (عقد فرید ۱۴۴-۳)

حضرت عباسؑ نے اپنے چچا عقیلؑ کی حاضر جوابی و جرأت و دلیری کی وراثت پائی۔ حضرت عباسؑ کے ممتاز ترین چچاؤں میں حضرت جعفر طیارؑ تھے۔ وہ رسول خداؐ سے صورت و سیرت میں مشابہ تھے ۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقع پر مکہ میں ایک واقعہ کے سلسلے میں حضرت جعفرؑ کے متعلق سرور انبیاء کی زبان مبارک پر یہ فقرہ آیا تھا۔ "اشبھت خَلقی وخُلقی"۔ تم مجھ سے صورت و سیرت میں مشابہ ہو۔ (حجازی ۲-۵۰) بعثت رسولؐ کے فوراً بعد جو تاریخی نماز جماعت قائم ہوئی اس کے ارکان میں حضرت جعفرؑ بھی تھے۔ وہ ان کی زندگی میں اسلام کے سرفروش فدائی تھے۔ بعثت کے پانچویں سال جب مکہ میں کمزور مسلمانوں کو سانس لینا دشوار ہو گیا، اور ترک وطن کے سوا عقیدہ کی حفاظت کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئیں اور

حبش ہجرت کرنے کی تجویز ان کے سامنے آئی تو حضرت جعفرؑ نے اس موقع پر اپنی یادگار قربانی سے تاریخ میں اپنی نمایاں جگہ بنالی ۔ حالانکہ وہ خود اپنے قبیلے کی حفاظت میں تھے اپنے باپ کی رفاقت بھی انھیں عزیز تھی ۔ لیکن بے سہارا مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے پہل سابقہ تھا ۔ انھیں انجام معلوم نہ تھا اس لئے ایک ایسے قائد کی انھیں ضرورت تھی جو مصائب اور دشواریوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور اس کی فکر گرہ کشا ہو ۔ حضرت جعفرؑ نے انتہائی ایثار سے کام لیا اپنے خاندان اور وطن کو چھوڑ کر مہاجرین کے ساتھ حبش چلے گئے ۔ نجاشی شاہِ حبش ان کی یادگار تقریر سے شدّت سے متاثر ہوا ۔ انکی حبش کی تقریر پر تاریخ اسلام کو فخر ہے ۔ سیرت و تاریخ کی کتابیں اسے اپنا سرمایہ شرف قرار دے کر برابر نقل کرتی چلی آرہی ہیں ۔

کافی مدّت تک حضرت جعفرؑ وطن سے باہر رہے اس عرصہ میں عالم مسافرت میں انھیں اپنے پیارے باپ کی خبر کا صدمہ بھی دل پر اٹھانا پڑا ۔ جب خیبر فتح ہوگیا تو وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے اور رسولِ خداؐ کے دہنِ مبارک سے یہ معنی خیز فقرہ سُنا گیا " میں طے نہیں کر پاتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں ۔ جعفرؑ کی واپسی پر یا خیبر کی فتح پر " پھر حضرتؐ نے اعتراف مقام کے طور پر انھیں نماز مخصوص کی واپسی فرمائی ۔ جو نماز جعفر طیارؑ کے نام سے مشہور ہے ۔ (جمال الاسبوع) انکی زندگی کا آخری واقعہ جس نے ان کی یاد کو لافانی بنادیا " جنگ موتہ " میں ان کی شہادت ہے ۔

جنگ موتہ میں فوج بھیجی گئی تھی اس کے افسر اعلیٰ حضرت جعفرؑ قرار دیئے گئے ۔ اور یہ ترتیب قرار پائی تھی کہ اگر حضرت جعفرؑ شہید ہوجائیں تو فوج کی قیادت زید بن حارثہ سے متعلق کی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے امیر مقرر ہوجائیں ۔ (تاریخ یعقوب ص ۶۷)

مناقب ابن شہر آشوب ج ۔ ۱ ۔ ص ۱۴۲) حضرت جعفرؑ نے بڑی آن بان سے دشمن کا مقابلہ کیا ۔ دشمن نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیئے ۔ جب تک جسم میں جان باقی رہی انھوں نے اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اسلامی تاریخ میں اس سرفروشی اور شہادت کی دھوم مچی ہوئی ہے ۔

حضرت جعفر طیارؑ کا مقام امیرالمومنینؑ کے سوا اپنے بھائیوں میں بہت بلند ہوگیا ۔ حالانکہ جناب عقیل ان کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ رہے لیکن حضرت جعفرؑ کے تقدس اور ان کی بزرگی تک وہ نہیں پہنچ سکے ۔ حضرت جعفرؑ کی حیثیت اسلامی تاریخ کے ہیرو کی ہے ۔

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ نے کوفہ میں اپنی یادگار شہادت سے اپنے باپ کا نام چمکا دیا اور ان کے شرف میں اضافہ کیا ۔ حضرت عباسؑ کو حضرت جعفر طیارؑ کی وراثت میں کافی حصّہ ملا ۔ دونوں کی شہادتیں بہت ملتی جلتی ہیں دونوں کی حیرتناک جرأت و وفاداری میں بہت زیادہ مماثلت ہے ۔

جب حضرت عباسؑ کے اسلاف کا ذکر چھڑا ہوا ہے اور ان کے اعمال کی وراثت بیان ہو رہی ہے ۔ حضرت عباسؑ کی پھوپھی جناب ام ہانی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے ۔ جنھوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل کیا تھا ۔ بعثت کے تین سال بعد جب رسولؐ خدا کو معراج ہوئی تو آپ کا نزول ام ہانی ہی کے گھر میں ہوا ۔ آپ نے پہلے معراج کا ذکر انھیں سے کیا اور انھوں نے اس خبر کی تصدیق کی ۔

حضرت عباسؑ کے بھائی بہن

۱۔ حضرت عباسؑ کے سترہ بھائی اور اٹھارہ بہنیں تھیں۔ (طبری ۶-۴۸) بھائیوں میں امام حسنؑ و حسینؑ اور محسنؑ یہ تینوں خاتونِ جنت کے بطن سے تھے۔ محمد ابن حنفیہ کی ماں خولہ تھیں۔ حضرت ام البنین سے چار فرزند تھے حضرت عباس و عبداللہ، جعفر و عثمان، عمر اطراف و عباس اصغر صہبا کے بطن سے تھے۔ محمد اصغر کی ماں امامہ بنتِ ابی العاص تھیں۔ یحییٰ اور عون کی ماں اسمائے بنتِ عمیس تھیں۔ عبداللہ و ابوبکر کی ماں لیلیٰ بنتِ مسعود تھیں محمد اوسط کی ماں ام ولد تھیں۔ (طبری ج ۶۔ ص ۶۹) اس میں عبداللہ اصغر کا ذکر نہیں ہے) محسن کا چھ مہینہ کا حمل گر گیا باقی اور بھائیوں کے ساتھ معاشرت کا موقع حضرت عباسؑ کو ملا۔

حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے مقام سے کم و بیش ہر مکتبِ خیال کے تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے واقف ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے حضرت عباسؑ کی سیرت پر جن لوگوں کا اثر ہے ان میں سر فہرست امام حسنؑ و حسینؑ کے اسماء گرامی ہیں یہ دونوں بھائی حضرت کے شعور و احساسات پر چھائے ہوئے تھے۔ اور ان کے لئے معیاری و مثالی انسان تھے ان کی اطاعت و فرمانبرداری حضرت عباسؑ کی نظر میں بڑی سعادت و عزت تھی۔ بھائیوں کے چشم و ابرو پر ان کی نگاہیں رہتی تھیں۔ ان کا ذہن ان کے اشارات کو سمجھنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنے باپ کی جگہ پر سمجھتے۔ بھائی سے زیادہ وہ انھیں امام معصوم کی حیثیت دیتے۔ لفظی حیثیت سے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے کہ انھوں نے کبھی بھائی نہیں کہا۔ وہ آخر وقت تک

اپنے کو ان کا غلام کہتے رہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ان دونوں کو بھائی سے زیادہ واجب الاطاعت امامؑ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے سامنے فروتنی، خاکساری ان کی پیروی و اتباع اس سے کہیں زیادہ تھی جو ایک سلیم الطبع و سعید چھوٹا بھائی بڑے بھائیوں کی کر سکتا ہے۔ نہایت صاف طور پر محسوس ہوتا کہ ان کی نظر میں اخوت و امامت کے دو پلّوں میں امامت کا پلّہ وزنی ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی ان سے اولاد سے کسی طرح کم محبت نہیں کرتے تھے۔ ان کی سعادت و خلوص و وفاداری کے گہرے نقوش ان کے دلوں پر مرقوم تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں میں محمدؐ ابن حنفیہؑ خاص شہرت کے مالک تھے۔ محمد ابن حنفیہؑ کی ولادت سنہ ۱۷ھ میں ہوئی۔ (دنہایہ ابن کثیر ۹/۳۸ یا سنہ ۲۱ھ میں ہوئی۔ (ابن خلکان) اولاد امیرالمومنینؑ میں امام حسنؑ و حسینؑ کے بعد محمد ابن حنفیہؑ علم و عرفان میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ تاریخ و ادب کی کتابوں میں ان کے علم و عرفان کے بیان نے کافی صفحات گھیر لئے ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ ان کی علمی استعداد اور دینی عزت پر اعتماد رکھتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے "مجاہدہ" کو انکار ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ مجاہدہ سے مراد محمد ابن حنفیہؑ، محمد ابن جعفر طیار و محمد ابن ابی حذیفہؑ ابن عتبہ بن ربیعہ تھے (رجال کشی ۱۴۷) علم و فضل و شجاعت و جرأت سے انھیں کافی حصہ ملا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کی طرف سے دفاع میں ان کے بازو کی طاقت مسلّم ہو گئی تھی۔ جنگ صفین میں ان کی تقریروں نے دشمن اور دوست سب سے ان کے خطیبانہ اقتدار کا اعتراف کرا لیا تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ جنگ میں حصہ لے سکتے اور کچھ اس لئے کہ امام حسینؑ کی طرف سے مدینہ میں وہ قیام پر مامور تھے۔ کربلا میں شہادت کی سعادت نہ حاصل کر سکے (اجوبہ مسائل مہنائیہ علامہ حلی مقتل محمد ابن ابی طالب)

حضرت محمد حنفیہؓ کے سامنے سے تاریخ کے بڑے اہم دور گزرے انھوں نے کافی عمر پائی وہ ایک ذہین وصاف معرفت بزرگ تھے ان کی زندگی کا تذکرہ تاریخ میں بہت ہے۔ پھر بھی تقدس واحترام میں وہ حضرت عباس علمدارؑ کا درجہ نہ پاسکے۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی فہرست میں محمد بن حنفیہ کا نام آثار و افکار کے نام سے کافی پر ثروت ہے۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی فہرست میں عمر اطراف کی تاریخ کافی ابہام اور تاریکی میں ہے۔ کچھ لوگ عمر اطراف کو حضرت عباسؑ سے بڑا کہتے ہیں۔ داؤدی کا خیال ہے کہ یہ حضرت علیؑ کی آخری اولاد ہیں (عمدۃ الطالب ۳۵۴)۔
واقعۂ کربلا میں ان کی شرکت نہیں ہو سکی۔ جن لوگوں نے ان کا شمار شہدائے کربلا میں کیا ہے انھیں وہم ہو گیا ہے۔ دنیوری سے یہ غلطی ہو گئی ہے کہ مصعب اور مختار کے درمیان جنگ میں ان کو مصعب کی فوج میں دکھایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مصعب کی فوج میں شریک تھے۔ فریق مخالف نے انھیں قتل کر دیا۔ (اخبار طوال ۲۹۷)

یافعی نے ان کو مختار کی فوج میں دکھایا ہے۔ بلکہ شہیدوں کی صف میں دکھایا ہے۔ (مرآۃ الجنان یافعی ۱-۱۴۳)

عبید اللہ ابن نہشلیہ کربلا میں شرکت سے محروم رہے ان کی زندگی کے واقعات بھی اندھیرے میں ہیں۔ ابوبکر ابن لیلیٰ بنت مسعود نہشلیہ کا نام شہدائے کربلا میں آتا ہے ابن جریر کو ان کے قتل ہونے میں شک ہے۔
شیخ عباس قمی نفس المہموم (۱-۱۷۳) میں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کربلا میں قتل ہو گئے۔ البتہ ان کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ محمد اوسطؑ جن کی ماں امّ ولد تھیں کربلا میں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (ابن کثیر ۴-۳۱)

عبد اللہ و جعفر اور عمران نے بھی شہادت کا شرف پایا۔ عباسؑ، اصغرؑ کی وفات غالباً امیر المومنینؑ کے زمانہ ہی میں ہو گئی تھی۔

(۲) حضرت عباسؑ کی اٹھارہ بہنوں میں کچھ تو حضرت علیؑ کے زمانے ہی میں وفات پاچکی تھیں۔ جیسے زینبؑ، صغریٰؑ، حمازؑ، امامہؑ، امّ سلمہؑ رملہؑ، صغریٰ، (مناقب ابن شہر آشوب ۲-۷۶) اور کچھ کی وفات امیر المومنینؑ کے بعد ہوئی۔ مگر ان کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ جن کی شادیاں ہوئیں ان میں نمایاں تر حضرت زینبؑ کبریٰ ہیں۔ حضرت زینبؑ کی شادی عبد اللہ ابن جعفرؓ سے ہوئی۔ رقیہؑ کی شادی حضرت مسلم ابن عقیلؑ سے ہوئی۔ فاطمہؑ کی شادی ابو سعید ابن عقیل سے ہوئی۔ امّ ہانی کی شادی عبد اللہ اکبر ابن عقیل سے ہوئی۔ امّ الحسنؑ کی شادی جعدہ ابن ہبیرہ مخزومی سے ہوئی۔ امامہؑ کی شادی صلت ابن عبد اللہؓ ابن نوفل ابن حلوث مطلبی سے ہوئی۔

جناب زینبؑ حضرت عباسؑ کی وہ بہن تھیں جن پر کل بنی ہاشم و عرب بلکہ دنیائے انسانیت کو فخر ہے۔ تحریک کربلا میں انھوں نے امام حسینؑ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ حضرت کی زندگی میں بڑے صبر و ثبات سے ان کے اشاروں پر چلتی رہیں۔ حضرت کی شہادت کے بعد اسیروں کی قیادت کا بار ان پر آپڑا۔ سیدِ سجادؑ بیماری اور دوسرے معالج کی بناء پر وہ زیادہ تر خاموش رہے۔ خاتونِ کربلا دخترِ زہراؑ نے تمام روح فرسا موقع پر نہایت حکمت و بصیرت سے کام لیا۔ بازار کوفہ و دربار زیاد اور بازارِ شام و دربار یزید میں ان کی انقلاب انگیز تقریروں کی تلخی دشمن کی کان و دہن آج تک محسوس کر رہا ہے۔

یہ وہ نام تھے جن میں بعض طبقہ حضرتِ عباسؑ کے اسلاف اور بعض کم و بیش آپ کے ہم عمر تھے یہ آپ کے بھائی بہن تھے۔ ان لوگوں میں آپس

میں صفات کا تبادلہ ہوا۔ اب سرسری طور پر آپ کی نسل کا بھی ذکر کرتے ہیں جس سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت عباسؑ سے ان کو کیا وراثت صفات ملی۔ حضرت عباسؑ کی پانچ اولادیں تھیں۔ عبید اللہ، فضل (ناسخ) وحسن (معارف ابن قتیبہ) وقاسم اور دو بیٹیاں، ابن شہر آشوب نے کربلا کے شہیدوں میں حضرت عباسؑ کے ایک بیٹے محمدؑ کا نام لیا ہے۔ عبید اللہ وفضل کی ماں لبابہ بنتِ عبید اللہ بن عباسؓ ابن عبد المطلب تھیں۔ حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حسنؑ ابن امیر المومنینؑ نے عقد کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے نفیسہ پیدا ہوئیں۔ (تذکرہ خواص الامہ ۳۲۳)

حضرت عباسؑ کی نسل صرف عبیدؑ سے چلی۔ بعض حسن ابن عباسؑ کی نسل کا بھی جاری رہنا بتاتے ہیں۔ عبید اللہ ابن عباسؑ نے علم وفضل میں مقامِ عالی پایا۔ حُسن وجمال ومروت میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ۱۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی تین بیویاں تھیں۔ رقیہ بنت حسنؑ ابن علیؑ و بنت معبد بن عبد اللہ ابن عبد المطلب بنت مسور بن محترمہ زبیری (ذخیرۃ الدارین) حضرت عباسؑ کی وفا وقربانی کی داد آئمہ اہلبیتؑ کی مجلس میں عرصہ تک دی جاتی رہی۔

عبید اللہ ابن عباسؑ کو جیسے امام زین العابدینؑ دیکھتے آپ کی آنکھوں سے آنسو چھلک اٹھتے کوئی رونے کا سبب پوچھتا تو فرماتے ان کو دیکھ کر کربلا میں چچا عباسؑ کی قربانی یاد آجاتی ہے اور میں بیتاب ہو جاتا ہوں۔ عبید اللہ کی نسل میں فقہا، ومحدثین ومحققین پیدا ہوتے رہے۔ کتنا حسین ہے وہ کردار جس کی یاد سے اس کے سربرآوری ونمایا اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے تاریخی فخر وشرف میں اپنے خدمات وکمالات سے خود بھی چار چاند لگاتا ہے اور کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جسکی

نسل میں اس کی روایت زندہ رہتی ہے اور اس کے اعقاب اپنے مورث کے صفات کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی تکمیل وترقی کے سفر میں اسکی یاد سے شمع کا کام لیتے ہیں۔

باب الحوائجؑ کی بارگاہ میں معجزات

کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

جناب عباس علیہ السّلام سیرت وصورت، صبر وقوت، شجاعت و عبادت، وقار ورعب اور دبدبہ میں، گفتار اور رفتار میں بالکل اپنے جدِّ بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام سے مشابہ تھے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام کی وفات کے بعد جب کچھ لوگ مدینہ اشتیاق زیارت عباسؑ علمدار کو آئے۔ آپ اس وقت حرم سرا میں تشریف فرما تھے۔ حالانکہ ابھی بچپنا تھا۔ امام حسینؑ کے حکم سے جب باہر تشریف لائے تو لوگ دس قدم پیچھے ہٹے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ کبھی علیؑ کی جوانی دیکھی تھی۔ خدا نظر بد سے دور رکھے۔ جب یہ جوان ہوں گے تو کس عالم میں ہوں گے۔ آپ اتنے حسین تھے کہ دنیا قمر بنی ہاشم کہنے پر مجبور ہو گئی۔ اگر جناب عباسؑ معصومۂ عالم بی بی سیدہؑ کا شیر پی لیتے تو امام ہو جاتے۔ باپ نے پورے دس برس خدا کے رسولؐ کے لشکر کی علمبرداری کی لیکن علمبردار نہ کہلائے۔ بیٹے نے کچھ دیر کربلا کے میدان میں فوجِ حسینی کی علمداری کی قیامت تک کے لئے علمدار مشہور ہو گئے۔

حسینؑ پر فدا کاری کا جذبہ:- جناب عباسؑ کا بچپن کا زمانہ ہے

فرطِ محبت کی وجہ سے جب کبھی امام عالی مقام حضرت حسینؑ کے ساتھ چلتے تو ان کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگاتے۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جناب امیرؑ تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں سرکار سیدالشہداء حضرت امام حسینؑ جلوہ افروز ہیں۔ شہنشاہِ کربلا کو پیاس لگی۔ قنبرؓ سے کہا پانی لاؤ حکم ملتے ہی قنبرؓ اٹھے۔ حضرت عباسؑ جن کا اس وقت کمسنی کا زمانہ تھا نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ قنبرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ قنبر ٹھہرو۔ عباسؑ حسینؑ کے سامنے تشریف لائے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا آقا غلام کو کیوں بھلا دیا۔ میں اپنے آقا کے لئے پانی لاتا ہوں۔ فوراً چلے سر دپانی کا جام سر پر رکھ کر خوشی خوشی مسجد کی طرف بڑھے۔ راستہ میں سارا پانی چھلک کر گر گیا سارا جسم پانی سے تر ہو گیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کو اس حال میں دیکھا حسرت بھری نظروں سے کہا بھائی عباسؑ آج تو پانی لے آئے ہو۔ مگر ایک دن ایسا آئے گا کہ تم ہماری بچیوں کے لئے پانی لینے جاؤ گے لیکن ہزار کوشش کے باوجود پانی نہ لاسکو گے۔ عباسؑ نے عرض کیا مولا کیا میرے بازو اس وقت سلامت نہیں ہوں گے؟

اس ہی طرح کا دوسرا فداکاری کا واقعہ ہے جو جنگ صفین کا ہے۔ کہ حسینؑ امیرالمومنین حضرت علیؑ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ باغیوں سے جنگ کر رہے تھے۔ عباسؑ بھی اس جنگ میں بابا اور بھائی کے ہمراہ ہیں عباسؑ حسینؑ کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ جہاں حسینؑ اور فوج اعداء کے درمیان معرکہ ہوتا ہے۔ عباسؑ دلاور شیر نر کی طرح غیض و غضب کے عالم میں بجلی کی تیزی کے ساتھ صفوں کو چیرتے ہوئے آقا حسینؑ اور اس فوج کے درمیان آجاتے ہیں جو سامنے آتا ہے نیزے کی انی سے اٹھا کر زمین پر گرا دیتے تھوڑی سی دیر میں ۹۰ اشقیا کو فنا کیا فوج اعداء میں

کھلبلی مچ گئی۔ جناب عباسؑ فرماتے جاتے تھے کہ میں قمر بنی ہاشم ہوں۔ فرزند حیدرؑ و صفدر ہوں۔ حق شناس ہوں۔ کسی کی جرأت ہے کہ میرے ہوتے ہوئے آقا حسینؑ کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔

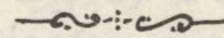
کفر و ضلالت کی تیز و تند آندھیوں نے اگر شمعِ رسالتؐ کو بجھانا چاہا تو یداللہؑ کا ہاتھ اوپر رہا۔ دشمنانِ خدا اور رسولؐ کی ہر کوشش کو زندگی بھر عباسؑ کے بابا اور ہمارے امیر المومنینؑ ناکام کرتے رہے۔ اسی طرح باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شمع امامت کے لئے فرزند یداللہ نے ہاتھ اوپر رکھا۔

یہ شمع امامت اس وقت گل ہو سکتی ہے جب یہ ہاتھ نہ ہوں آپ کے سامنے دنیاوی مثال ہے کہ جب کوئی شخص چراغ روشن کرتا ہے اور اس چراغ کو مکان کے دوسرے حصہ میں لے جانا چاہتا ہے ایسی صورت میں تیز ہوا اس روشن چراغ کو گل کرنا چاہے تو یہ شخص اپنا ہاتھ اس چراغ کی جلتی ہوئی لو پر رکھ لیتا ہے اور اپنی پوری کوشش سے اس جلتے ہوئے چراغ کو بجھنے سے بچا لیتا ہے۔ علیؑ اور ابنِ علی عباسؑ بالکل اس طرح ہے۔ یہ شمع رسالتؐ کے پروانے اور عباسؑ شمعِ امامت کے محافظ دونوں نے اپنی زندگیوں میں رسالتؐ اور امامتؑ کو دشمنِ اسلام کے شر سے محفوظ رکھا۔ بیٹا تو اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ امامت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کٹوا لیا اور امامتؑ کی شمع پر جان نثار کر دی۔

حضرت عباسؑ میں علیؑ کے طور طریقے تھے

حضرت عباس علیہ السلام کا وہی طور طریقہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام کا تھا۔ علی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار اور نائب تھے

اسی طرح جناب عباسؑ فرزند رسول ثقلینؐ حضرت امام حسین علیہ السّلام کے مددگار اور نائب تھے ۔جناب امیر علیہ السّلام فقراء و مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر لاد کر اجناس پہنچایا کرتے تھے ۔اسی طرح جناب عباسؑ بھی فقراء اور مساکین کی دلجوئی کرتے تھے ۔ رسولِ خدا تک پہنچنے کے لئے حضرت علیؑ کا وسیلہ ضروری ہے ۔اسی طرح امام حسینؑ تک پہنچنے کے لئے حضرت عباسؑ کا وسیلہ چاہیئے ۔اس جگہ ایک واقعہ بیان کرتا چلوں ۔
ایک زائر امام حسینؑ کی زیارت کو جاتا تھا ۔لیکن جناب عباسؑ کی زیارت کو بہت کم ۔اس کو خواب میں جناب سیدہؑ نے بشارت دی کہ تم میرے بیٹے کی زیارت کو نہیں جاتے ہو ۔زائر نے کہا بی بی میں تو ہر روز زیارت سیدالشہداؑ کو جاتا ہوں مجھ سے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتا اس پر بی بی نے کہا ہاں تم جاتے ہو ۔لیکن میرے بیٹے عباسؑ کی زیارت نہیں کرتے ۔
دیکھا آپ نے اگر کوئی شخص امام عالیمقام کی زیارت کرکے آجائے اور جناب عباسؑ کی زیارت نہ کرے ۔قسم بخدا اس کی زیارت قبول نہیں ہوگی ۔
عباسؑ اپنے بزرگوار کی طرح باب الحوائج ہیں ۔یہاں جو بھی آتا ہے مرادیں پاتا ہے ،جوان کا نام لے کر منت مانتا ہے ۔اس کی منت پوری ہوتی ہے ۔
مظہر العجائب والغرائب حضرت علی علیہ السّلام کے اس فرزندِ ارجمند کے کچھ معجزات اور کرامات بکھرے ہوئے اوراق سے جمع کر کے اس کتاب میں شائع کر رہا ہوں تاکہ منکر معجزات ان کو پڑھ کر ایمان لے آئیں اور اہلِ ایمان ان کے پڑھنے سے اپنے ایمان کو تازہ کریں ۔



معجزہ نمبر (۱)

شاعرِ اہلبیتؑ قیصر بارہوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا

گود میں فاطمہؑ کی بخشش امت کیلئے
لاش اصغرؑ کی ہے عباسؑ علمدارؑ کے ہاتھ

جناب قیصر بارہوی شاعرِ اہلبیتؑ حال مقیم لاہور کا ایک عجیب و غریب تعجب خیز واقعہ کتاب علیؑ علیؑ حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۱۴ پر بحوالہ امامیہ جنتری لاہور تحریر ہے کہ ایک دفعہ جناب قیصر بارہوی صاحب لاہور سے ملتان مجلس حسینؑ سے خطاب کے لئے بذریعہ بس مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے ۔یہ بس ساہیوال جا کر کھڑی ہوگئی ۔کنڈیکٹر نے سواریوں سے کہا کہ ملتان کی سواریاں اس بس سے اتر کر سامنے کھڑی ہوئی دوسری بس میں آجائیں ۔میں بھی دوسری سواریوں کے ساتھ ملتان والی بس میں بیٹھ گیا ۔اور بس روانہ ہوگئی ۔بس کو چلے ہوئے کئی میل ہوئے ہوں گے کہ مجھ کو فوراً خیال آیا کہ میرا بستہ جس میں مرثیوں کی بیاض بھی تھی وہ تو پہلی والی بس میں رہ گیا ۔دل دھک سے ہوگیا ۔اب کیا کریں واپس جاتے ہیں تو بس وہاں نہ ملے یا تھیلا کوئی دوسرا شخص لے گیا ہو اب اگر آگے جاتے ہیں تو پھر ملتان میں مجلس کیا پڑھوں گا ۔دل ہی دل میں حضرت عباس علمدارؑ سے مدد مانگی اور کہا مشکل کشاؑ کے فرزند میری مدد کیجئے کہ آپ کے بھائی شہیدِ کربلا کی مجلس پڑھنے جا رہا ہوں اور جو کچھ حادثہ ہوگیا اس کی بھی آپ کو خبر ہے ۔مولا عباسؑ مرثیوں کی بیاض آپ ہی عطا کریں گے ۔ دل ہی دل میں مولا سے کہہ رہا تھا جس بس میں سفر کر رہا تھا ۔اچانک وہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے ڈرائیور نے بس روک لی اور تمام سواریاں بس سے نیچے اتر آئیں ۔ڈرائیور اور کلینر بس کو ٹھیک کرنے لگے ۔تھوڑی دیر میں خانیوال کی طرف سے ایک بس آئی اور بس سے

چند گز کے فاصلہ پر آگے جاکر رک گئی ۔ اس میں سے ایک آدمی اترا اور میری بس کے پاس آکر باآواز بلند میرا نام لے کر کہا کہ قیصر بارہوی صاحب کون ہیں میں نے اپنا نام سُنا فوراً بول اٹھا میں ہوں ۔ اس شخص نے میرا تھیلا مجھ کو تھمایا اور کہا کہ راستہ میں ایک شخص نے مجھ کو یہ تھیلا دیا تھا اور بڑی تاکید سے کہا تھا کہ ابھی راستہ میں تم کو ایک بس کھڑی ہوئی ملے گی ۔ اس میں ایک شخص قیصر بارہوی نام کے ہوں گے ان کو یہ تھیلا پہنچا دینا ۔ یہ کہہ کر وہ آدمی اپنی بس میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا اور اس شخص کے جاتے ہی ہماری خراب بس بھی ٹھیک ہوگئی ۔ اور مسافروں کو بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہوگئی ۔ صلواۃ بر محمدؐ و آلِ محمد علیہ السّلام اس واقعہ نے تو یہ ثابت کردیا کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ آلِ محمد علیہ السّلام سے صدق دل سے رجوع کیا جائے ۔

معجزہ نمبر (۲)

پاکستانی صحافی کی آپ بیتی جس نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی

بحوالہ جنگ مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کالم نگار جناب رئیس امروہوی "روضۂ مبارک حضرت عباسؑ علمدار پر ایک وجدانی منظر" ۔ ممتاز صحافی جناب اقبال احمد صدیقی ساکن یو کے پلازا فیڈرل بی ایریا سپر ہائی وے کراچی روزنامہ جنگ اور اخبار جہاں کے نمائندے کی حیثیت سے عراق کے دورے پر گئے تھے اس سلسلہ میں ان کو ایک عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑا ۔ لکھتے ہیں کہ عراق میں اکیسواں ۲۱ روزہ تھا ۔ پاکستان میں رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ ہوگی ۔ میں نے شاہراہِ سعدرن پر واقع ہوٹل دارالسّلام کے کمرہ نمبر ۴۰۶ میں وضو کیا کپڑے تبدیل کئے

اور کمرہ بند کرکے لفٹ کے ذریعہ نیچے اترا ۔ دروازے پر کربلائے معلیٰ جانے کے لئے ایک ایئر کنڈیشنڈ ٹویوٹا کار منتظر تھی ۔ میں دو پاکستانی صحافیوں کی رفاقت میں کربلا کی جانب روانہ ہوا ۔ عراقی وزارت ثقافت کے ایک نوجوان افسر رہنما کے طور پر ہمراہ تھے ۔ عقیدت اور محبت کے جذبات سے دل سرشار تھا ۔ ہم پہلے دریائے دجلہ اور فرات کے جدید ترین پل سے گزرے ۔ ہمارے رہنما مسٹر علی جو بغداد یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں راستہ میں آنے والے تمام مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے ۔ ٹریفک کی زیادتی کے باوجود ہماری گاڑی پوری رفتار سے رواں دواں تھی ۔ السّید پل کے بعد عمودیہ اور اسکندریہ نام کی دو بستیاں آئیں پھر کربلائے معلیٰ کے آثار نمودار ہوئے ہم شہر میں داخل ہوئے تو کاروں، بسوں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ہماری گاڑی کا گزرنا مشکل تھا بالآخر روضۂ مبارک سے دور گاڑی کو کھڑا کیا اور سیدنا امام حسینؑ کے روضۂ مبارک پر حاضری دی ۔ پشاور کے روزنامہ جہاد کے اڈیٹر جناب شریف فاروقی اور اخبار خواتین کی نمائندہ خصوصی برائے اسلام آباد مسز شمیم الحق ہمسفر تھیں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ باب حسینؑ سے اندر داخل ہوئے ۔ ہجوم کی وہ کثرت کہ اللہ اکبر ۔ جوشان و شوکت اللہ تعالیٰ نے اس مقام متبرک کو عطا کی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے ۔ زائرین والہانہ انداز میں امام حسینؑ کی جالیوں کو بوسے دے رہے تھے اور رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے عصر کی نماز کا وقت ہوچکا تھا ۔ میں نے ساتھیوں سے اجازت لے کر ایک تنگ جگہ بیٹھ کر نماز ادا کی ۔ پھر سب کے ساتھ کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھنے میں مصروف ہوگیا ۔ اس وقت دل اور نظروں کو عجیب قسم کی سرور آمیز ٹھنڈک

کا احساس ہو رہا تھا۔ پورا ماحول شفقت اور محبت کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ دوسرے شہداء کی زیارت سے محروم نہ رہیں۔ ہجوم کے سبب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ ہم نے حضرت عباسؑ ابن علیؑ علیہ السّلام کے روضہ منورہ میں قدم رکھا۔ کیا جاہ و جلال تھا۔ زائرین کے ہجوم سے گزر کر قریب پہنچے تو صدر دروازے پر خوبصورت الفاظ میں کندہ تھا۔

"حضرت امام عباسؑ یا ابا الفضل العباسؑ"

اور آپ کی ضریح مبارک پر السّلام علیک یا عباسؑ یا قمر بنی ہاشم تحریر تھا۔ ہیبت اور عظمت کے سبب میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں اسکول کا کمسن معمولی طالب علم ہوں اور اپنا ہوم ورک کئے بغیر کلاس ٹیچر کے سامنے آگیا ہوں۔ جہاں مجھ سے میری کوتاہی پر باز پرس ہو سکتی ہے۔ سوچا کہ شاید اس ذہنی کیفیت کا سبب اعصابی دباؤ ہے۔ لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ یہ عذر غلط ہے۔ عباس علمدارؑ کی پوری زندگی چشم باطن کے سامنے سے گزرنے لگی۔ آپ حضرت عثمان کی خلافت کے سال اوّل ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے عظیم المرتبت والد سیدنا علی علیہ السّلام کے سایۂ شفقت میں آپ کا بچپن گزرا۔ جنگ صفین میں زخمیوں کو پانی پلاتے رہے۔ عاشورۂ محرم کو مشکیزہ لے کر فرات پر مشکیزہ تو مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ شجاع ابن شجاع لشکر حسینی کے علمدار کیا وہی جاہ و جلال ہے جو ان کے روضۂ مبارک سے عیاں ہے۔ بازار کربلا میں آئس کریم سے روزہ افطار کیا۔ رات گئے وہاں سے واپسی ہوئی اپنے ہوٹل میں پہنچا۔ کمرہ بدستور مقفل تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ تھوڑی دیر بعد کمرے

میں طعام کیا جاتا ہے۔ دروازے پر خود کار طریقہ پر داخل ہو جانے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ کھٹکا ہوا اور محسوس ہوا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ کمرہ خوب روشن تھا۔ جھرجھری آگئی۔ فوراً کوریڈور کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک صاحب بالکل قریب آکر واپس جا رہے تھے۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد۔ سبز عمامہ۔ سیاہ خشخشی ڈاڑھی۔ خوب چوڑا سینہ شانے بڑے بڑے۔ سر سے پاؤں تک مجاہدانہ شان۔ شفاف پیشانی۔ میں اتنا مرعوب ہوا کہ فوراً کمرے سے باہر آگیا۔ مگر دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ دروازہ بند کر کے سیدھا فرسٹ فلور پر ڈائننگ ہال میں چلا گیا۔ کسی سے کچھ نہ کہا شریف فاروق سے کہا کہ آپ کے کمرے میں چلتا ہوں۔ نماز بھی وہیں پڑھوں گا فضا میں عجیب قسم کی دلآویز مہک تھی جس سے بڑی تسکین ہو رہی تھی کراچی میں ایک صاحب معرفت بزرگ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ آپ کربلا میں جن بزرگ کے مہمان تھے۔ انھوں نے اپنی حفاظت میں آپ کی قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ یہ محض حُسنِ اتفاق ہے کہ آپ نے یہ منظر دیکھ بھی لیا۔

دو مہینے ہو گئے حیران ہوں کہ یہ کیا تھا۔ کوئی نفسیاتی ڈرامہ یا وجدانی نظارہ اس مقام پر عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ اس کیفیت کے متعلق کس سے دریافت کروں۔

معجزہ نمبر (۳)

ذاکرِ حسینؑ کی عظمت جناب عباسؑ علمدار کی نظر میں

کہا عباسؑ نے فوجِ عدو سے اب کہاں ہیں وہ
صفوں سے جو نکلتے تھے بہت جرّار بن بن کر
(تمنّا مرحوم)

مصنفِ کتاب سرور المومنین لکھتے ہیں کہ میرے بھائی شیخ جعفر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف کو جارہے تھے۔ راستہ میں ایک عالیشان عمارت نظر پڑی جس کے اردگرد نہایت گنجان درخت پورے سلسلے سے لگے ہوئے تھے دل میں سوچنے لگا کہ بارہا اس طرف سے گزر ہوا ہے کبھی اس قسم کا کوئی مکان اس راہ میں نظر سے گزرا ہی نہیں یہ مکان کیا ہے۔ میں اس تردد میں آپس میں باتیں کر رہا تھا کہ ایک بزرگ سامنے سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے یہ میرا مکان ہے آئیے اور میری دعوتِ مہمانی قبول فرمائیے۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ داخلِ خانہ ہوئے۔ وہ مکان کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ اس مکان میں راحت اور آرام کے تمام اسباب موجود دکھائی دے رہے تھے۔ اس مکان میں ایسی نعمتیں مہیا تھیں۔ جن کو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا اور نہ کانوں سے سنا تھا۔ اس مکان کے اندر ایسے ایسے باغات تھے کہ سبحان اللہ۔ باغوں کے درختوں پر طائرانِ خوش الحان اور مرغانِ شیریں بیان چہک رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ سبزہ لہلہا رہا تھا درخت بارِ ثمر سے جھکے ہوئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر تھے۔ اس عجیب و غریب مکان میں سیر کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے ایک پہلو سے ایک اور شاندار مکان نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میں حیران ہوگیا۔ وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور بہت بہترین طریقہ سے آراستہ تھا اس کی توصیف سے میری زبان قاصر ہے۔

اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت و جلال آشکار تھا۔ مجھے دکھائی دیئے۔ انھیں میں نے صدر مقام پر بیٹھے دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جوابِ سلام کے بعد اسی سید سے جو میرے ہمراہ تھا اور جسے میں پہچانتا بھی نہ تھا۔ لیکن رفیقِ سفر

ہونے کی وجہ سے میں اس سے مانوس تھا۔ فرمایا کہ شیخ کو جو آقائے نامدار حضرت سید الشہداءؑ کا ذاکر ہے فلاں مقام پر لے جاؤ اور اسے آبِ سرد اور طعام لذیذ سے سیراب کرو۔ اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو اسے مہیا کردو۔ یہ سنکر وہ سید مجھے ایک مکان وسیع میں لے گیا۔ جہاں انواع و اقسام کے کھانے چنے تھے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لئے نادرخانہ میں آیا تو میں نے اس سے کہا۔ تجھے قسم ہے اس عظیم الشان شخصیت کی جو اس مکان کا مالک ہے۔ مجھے بتا یہ کون سا مقام ہے۔ اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟ اس نے کہا اس مقام کا نام وادیٔ مقدس ہے اور اُن جناب کا اسمِ گرامی حضرت عباسؑ ہے اور یہ مکان ان ہی جناب کا ہے۔ یہیں سب شہدائے کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی اے سید میں نے بھی سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ کربلا میں حضرت عباسؑ کے دونوں دستِ مبارک کٹ گئے تھے اس نے کہا بے شک۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے رخصت آخری کے بہانے سے ان کی خدمت میں لے چلو تاکہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں وہ سید مجھے دوبارہ ان کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے جونہی ان کے دستِ بریدہ جسم کو دیکھا۔ میں بے اختیار رونے لگا اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہوگئے۔ ترجمہ:۔ دشمنوں نے ان کے جسم کو تیروں سے چھلنی بنا کر اس مشکیزہ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ جسے انھوں نے بڑی مشکلوں سے پُر کیا تھا اس وقت آپ کمالِ مایوسی کے عالم میں با چشم پُرنم حضرتِ امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ اے میرے آقا حسینؑ میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس میں پانی پہنچانے سے قبل ملک الموت سے ملاقات

کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔" راوی کہتا ہے کہ یہ سنکر حضرت رونے لگے اور حضرت عباسؑ علمدار نے فرمایا۔ اے شیخ خدا تم لوگوں کو صبر دے میں نے ان سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں جن کی تمہیں اطلاع نہیں ہے۔

معجزہ نمبر (۴)

حضرت عباسؑ کی اہم مصیبت اور ایک خواب

بڑھ کے عباسؑ نے سجادہ ادھر بچھوایا
خواب سے بیٹوں کو زینبؑ نے ادھر چونکایا
(آرزو لکھنوی)

کتاب نظم الزہرؑا صفحہ ۱۲۰ میں تحریر ہے کہ جب حکیم بن طفیل نے حضرت عباسؑ کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا تو آپ نے علم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسے لکھنے کے بعد مصنّف بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عالم جلیل القدر علامہ شیخ کاظم سینی نے فرمایا کہ ایک عالم دین میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے۔ میں حضرت عباس علیہ السّلام کا سفیر ہوں۔ آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں میں نے پوچھا کیا پیغام لائے ہو۔

فرمایا۔ مجھ سے حضرت عباسؑ نے خواب میں فرمایا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور یہ کہدوں کہ آپ حضرت عباسؑ کے مصائب مجالس میں بہت کم پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد اس عالم سفیر نے کہا کہ میں نے حضرت عباسؑ کے اس فرمانے پر عرض کی کہ مولا میں تو خود کئی دفعہ ان کی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے خود سنا ہے کہ یہ عالم مجالس میں آپ کا ذکر برابر کرتے ہیں اور مصائب بیان کرتے ہیں اس پر جناب عباسؑ علمدار نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ میری اس عظیم مصیبت کو بیان نہیں کرتے جب کوئی

سوار زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف گرتا ہے تو زمین پر پہنچنے میں اپنے ہاتھ کا سہارا لیتا ہے۔ لیکن وہ مظلوم کیا کرے جس کے سینے میں تیر چبھے ہوں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوں وہ زمین پر گرتے وقت کس چیز کا سہارا لے سکتا ہے۔"

اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ علیہ السّلام نے گھوڑے سے گرتے وقت اپنے ہاتھوں کو سہارے سے محروم پا کر انتہائی صدمہ میں پایا اور اس مصیبت کو علیؑ کے شیر دلاور نے بہت محسوس کیا۔ (میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ذاکرین صاحبان جب حضرتِ عباس علیہ السّلام کے مصائب بیان کریں تو مصائب کے اس ٹکڑے کو ضرور بیان کریں۔)

معجزہ نمبر (۵)

بجلی کے کرنٹ سے مر جانے والا بچہ زندہ کر دیا

شوکتِ رایت سلطانِ مدینہ دیکھو
ہے وہ پرچم سے بندھی مشک سکینہؑ دیکھو

عالیجناب مولانا علی اختر صاحب امروہوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ جناب والا کئی عدد کتابوں کے مصنّف بھی ہیں سنہ ۱۹۵۲ء میں زیارت سیّد الشہدا حضرت امام حسینؑ کو معہ اپنے اہلِ خاندان کے تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا پوتا جس کا نام حسن عباس ہے وہ شریک سفر تھا۔ دوران قیام کربلائے معلّی ان کے اس پوتے کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کو جناب اختر علی صاحب نے حضرت عباسؑ کے معجزے سے تعبیر کیا ہے اس پورے معجزے کو آپ نے کتاب زائر حسینؑ کا روزنامچہ صفحہ نمبر ۱۲۵ تا ۱۳۰ میں تحریر کیا ہے کہ "۲۹ مئی سنہ ۱۹۵۲ء

١٤ شعبان جمعہ، آج کربلائے معلّٰی کے ہر گلی کوچہ میں بھیڑ بھاڑ ہے۔ سڑکیں مسلسل پیدل آنیوالے زائرین سے یا ان کے لانے والے موٹر گاڑیوں سے بھری ہیں روضۂ جات میں اور عمارات مثلاً خیمہ گاہ وغیرہ میں بڑے بڑے وسیع صحن دریچیاں دالان ہر ہر جگہ مضافات کے آئے ہوئے قافلوں سے بھر چکے ہیں اب ان مقامات میں آمد و رفت دشوار ہے۔ چونکہ ہر آنے والے کا مقصد حاضری حرم مبارک و زیارت ضریح مقدس ہوتا ہے۔ لہٰذا حرم کا مجمع بہت اور محدود جگہ ہونیکی وجہ سے بیحد کشمکش ہوتی ہے۔ صبح سے گھر ہی میں تھا۔ یہ پروگرام بنایا کہ آج شب اعمال و عبادت اپنی قیام گاہ پر کئے جائیں گے اور آخری حصّہ شب میں سب عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر مشرف بہ زیارت ہوں گا۔ اس وقت بھیڑ کم ہونے کا خیال تھا۔ گذشتہ رات چونکہ شب جمعہ تھی کم خوابی کی وجہ سے اس وقت طبیعت کسلمند سی تھی۔ لیٹے لیٹے رسالہ نور کراچی کا آیا ہوا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ تقریبًا دس بجے دن کا وقت تھا۔ دوسرے متصل کمرہ میں میری اہلیہ اور بہو وغیرہ تھے۔ یکایک شور و غل کی آواز نے مجھے خواب سے چونکا دیا۔ دیکھتا ہوں کہ میری اہلیہ اور ان کے پیچھے پیچھے میری پوتی صادقہ اختر سلمہا روتی پیٹتی فریاد کناں دوسری جانب اسی عمارت میں بھاگی جا رہی ہیں۔ میں گھبرایا استفسار حال کرتا ہوا پیچھے دوڑا۔ اس نے بتلایا کہ اس کا چھوٹا بھائی حسن عباس سلمہ گلی والے کمرہ میں بجلی کے تار سے لپٹ کر بے ہوگیا ہے۔ اس خبر نے دماغ کو بیکار کر دیا۔ افتاں و خیزاں اس کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی ہے۔ جس پر لوہے کی سلاخوں کو موڑ کر ایک بارجہ بنایا گیا تھا۔ اسی جگہ بجلی کا تار گلی کی مین لائن میں دوڑا ہوا ہے۔ یہ بچہ اسی کمرہ میں گیا اور صادقہ اس کی بہن بھی اسی جگہ تھی۔ میرے دن کے آرام کیلئے

اسی خالی کمرہ میں ملازم نے بستر کر دیا تھا۔ کیونکہ آج مسافر خانہ کی عمارت میں بہت زیادہ مجمع مسافر زائروں کا ہوگیا تھا۔ یہ جگہ علیٰحدہ اور خاموش تھی۔ بچوں نے یہاں نئی جگہ آکر دیکھ بھال شروع کر دی۔ صاحبزادہ حسن عباس سلمہ، نے جس کی عمر آٹھ سال کی ہے اس کھڑکی کے آہنی کٹہرے پر کھڑے ہوکر بجلی کے تار کو پکڑ لیا۔ اسے سی کرنٹ کی بجلی مین لائن کو بچہ نے بے اختیاری طور پہ تار کو پکڑا۔ بجلی کا جو کام تھا اس نے کیا۔ یہ اسی تار میں لٹک کر بے حس و حرکت رہ گیا۔ میں نے جس حال میں اس کو پایا خدا کسی دشمن کو بھی اس کی اولاد کا یہ منظر نہ دکھلائے۔ منکا ڈھلا ہوا۔ آمد و شد نفس کا نام نہیں۔ اسی تار میں اس حالت سے لپٹے اور لٹکتے تقریبًا دس منٹ گزر چکے تھے۔ میں نے پہنچتے ہی اس کو گود میں لیا اور انگلیاں ہاتھ کی جو تار میں متصل تھیں اور اسی سے بجلی اپنی قوت میں اس کو جذب کئے لٹکائے ہوئے تھی۔ تار سے چھڑا کر علیٰحدہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گیا اور میری زبان سے مسلسل یہ فریاد جاری تھی کہ اے ابوالفضل العباسؑ میرے اس بچے کو مجھے واپس دلوا دیجئے اور یہ فقرہ اس یقین کے ساتھ میرے منہ سے نکل رہا تھا کہ میں محض جسد خاکی کو گود میں لئے بیٹھا ہوں۔ چاروں طرف مرد عورت اپنے پرائے گھیرا ڈالے میرے ساتھ ہم آواز فریاد و دعا کر رہے تھے۔ گھبراہٹ و پریشانی کے عالم میں کچھ لوگ ڈاکٹر کو بلانے بھاگے ہوئے گئے۔ اس بچہ کے باپ صاحبزادے اختر عباس سلمہ، اللہ تعالیٰ مکان کے زیرین حصّہ میں بیٹھے ہوئے اپنے استاد عالیجناب ڈاکٹر سیّد جعفر حسین صاحب ڈی۔ (لٹ) سے باتیں کر رہے تھے۔ ان تک خبر پہنچی اور وہ لوگ بھی بدحواس میرے پاس پہنچ کر شریک حال ہو گئے۔ میری اہلیہ بلا کسی اطلاع کے پہلے ہی اس بچے کو لٹکا ہوا دیکھ

کر بے تحاشہ حواس باختہ تنہا حرم مبارک سید الشہداء امام حسینؑ میں فریاد کناں پہنچ گئیں۔ مجمع کی کثرت سے ضریح مبارک کے پاس رک نہ سکیں تو جناب حبیبؑ ابن مظاہرؑ کی کے رواق میں بیٹھ اور مولا سے رو رو کر اپنی فریاد کرنے لگیں۔ گرد و پیش میں عربی و عجمی عورتوں نے ان کی سراسیمگی سے متاثر ہو کر استفسار حال کیا اور سب نے رو رو کر ان کی فریاد و دعا میں شرکت کی۔ اسی حالت میں اس بچے نے میری گود میں (جس کو میں مُردہ کی حیثیت سے لئے پندرہ منٹ سے بیٹھا تھا اور پانی چھڑکتا تھا۔) زندگی کے آثار ظاہر کئے۔ ہونٹوں پر خفیف سی حرکت معلوم ہوئی۔ پانی کے قطرات ٹپکائے۔ آنکھوں میں بھی حرکت محسوس ہوئی۔ ہماری فریاد مسلسل جاری تھی۔ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولیں۔ مگر چہرے کا رنگ سفید آنکھوں سے انتہائی ضعف ظاہر ہوتا تھا۔ میری آواز پر حواس مجتمع کر کے نقاہت و اشارہ سے جواب دیا سب لوگ متحیّر ہو کر درود سلام پڑھنے لگے (صلواۃ بر محمدؐ و آلِ محمدؐ) اس بچہ کی ماں بالاخانے پر روضۂ مطہر جناب سید الشہداءؑ کے سامنے رُخ کئے سر برہنہ مصروف فریاد و فغاں تھی۔ میں نے اس کو بلایا کہ آئے اور اپنے لختِ جگر کو لے اور اپنے مولا کی فریاد رسی کا کرشمہ دیکھے۔ آئی اور بے تابانہ اپنے نور نظر کو کلیجہ سے لگا کر رونے لگی۔ اسی حالت میں ڈاکٹر قریشی صاحب تشریف لائے انھوں نے آلہ لگا کر قلب کی حرکت دیکھی نبضیں دیکھیں اور مجھ سے کہا کہ بچہ بفضلہٖ خطرہ سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کو رخصت کر کے ہم عطیۂ ابوالفضل العباسؑ کو گود میں لئے دوسرے کمرے میں چلے آئے جہاں مجمع سے الگ ہو کر اس کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ کئی گھنٹہ خاموش پڑا رہا نہ کچھ کھانے پینے کی رغبت نہ بات کرنے کی طاقت ہاتھ کی انگلیوں سے جو بجلی کے تار

لپٹے تھے۔ چھالے پڑ گئے تھے۔ کپڑے اس کے بدلتے ہوئے ظاہر ہوا کہ پیر کے تلوے میں بھی ایک بڑا چھالہ قریب تین انچ کا پڑ گیا ہے اس کی کوئی وجہ ذرا بھی سمجھ میں نہ آئی۔ سہ پہر کو اس نے پھلوں کا عرق، دودھ برف کے ساتھ پیا اور چہرہ پر بحالی آگئی۔ رات کو صحت مندانہ انداز میں آرام کیا۔ ہم لوگ نہایت سکون و آرام سے تمام شب اعمال نیمہ شعبان بجالائے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف و مشغول رہے اور شکرِ خدا اور رسولؐ بجالائے۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ) تین بجے رات کو معہ اپنی اہلیہ کے حرم مبارک میں حاضر ہوا۔ خیال تھا کہ مجمع اس وقت کم ہوگا مگر اس وقت بھی بہت بڑا ہجوم تھا۔ تمام عمارات صحن و دالان میں مجمع ہی مجمع ہے۔ علی الخصوص اندر حرم ضریح اقدس کے ایک اژدہام زائرین کا جدھر دیکھو لوگ مصروف طواف یا عبادت ہیں کسی نہ کسی طرح اندر حرم مبارک پہنچ کر اس شب کے مخصوص اعمال و زیارات وغیرہ پڑھ کر ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھ کر مقصد حسینی کی ابدی کامیابی کا یہ منظر دیکھتا رہا۔ کہ رات کے چار بجے ہیں۔ لوگ اس آستانہ پر اپنے دل کی مرادیں ماننے چلے آرہے ہیں۔ اور یزید کا نہ نام ہے اور نہ نشان۔

"حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ"

اب اس واقعہ کے متعلق ارباب بصیرت ناظرین کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہوں۔ قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ معجزے کی تعریف یہ ہے کہ نظامِ فطرت کے تحت جو افعال و خواص ہر شئے کے ایک مقررہ اصول و عادات کے پابند ہیں اس کے خلاف بلا کسی خارجی مداخلت کے اس کا اثر یا نتیجہ ظاہر ہو۔ مثلاً آگ کا کام جلانے کا ہے۔ پانی کا کام ڈبونے کا ہے۔ اسی طرح بجلی کا کام سکنڈ سے بھی کم وقفہ میں اپنے معمول کو فنا کر دینے کا ہے۔ چنانچہ

اس واقعہ میں بھی بجلی نے اپنا کام کیا۔ حسن عباس نے بجلی کے تار کو ہاتھ سے پکڑا اس نے فوراً ہی اپنی طاقت میں اس کو جذب کر لیا اور یہ لپٹ کر رہ گیا۔ لوہے کی سلاخوں کے کٹہرے پر ننگے پیر کھڑا تھا۔ بجلی کی قوت ہاتھوں سے پاس ہوتی رہی اور نیچے پیروں کے لوہے کو جلاتی رہی جس کے گرم ہو جانے سے اس کا پیر اچھا خاصا جل گیا۔ تین ہفتہ مسلسل زخم کا علاج ہوتا رہا پھر ٹھیک ہو گیا۔ کوئی برقی چیز، برقی قوت اور اس کے جسم میں اتصال میں ایسی حارج نہ تھی جو بجلی کے کرنٹ کے لئے رکاوٹ کا باعث بنتی۔ دس منٹ کے وقفہ تک عامل و معمول ایک دوسرے سے متصل وابستہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی حالت میں معمول سے کوئی دوسرے انسان لپٹ جاتے ہیں تو وہ بھی اسی بجلی کی زد میں آجاتے ہیں۔ اب اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو پہلی بات خرق عادت کی یہی ہے کہ میں نے بلا کسی خیال و احتیاط کے بچہ کو گود میں سنبھالا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کی انگلیاں تاروں سے چھڑائیں اور اسی جگہ فرش پر اس کو لئے ہوئے بیٹھ گیا۔ مگر مجھ کو کوئی اثر بجلی کا محسوس نہ ہوا۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ اس عالم بیہوشی و بے حسی میں جو تقریباً پندرہ بیس منٹ تک بچہ پر میری گود میں گزری دو حال سے یہ بات خالی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ کہ وہ مر چکا ہے (جیسا کہ میرا یقین تھا اور ہے) یا وہ زندہ تھا۔ لیکن بظاہر مردہ تھا۔ اگر زندہ تسلیم کر لیا جائے تو خرق عادت میں یہ جز واقعہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ برقی قوت نے اپنے معمول پر کم سے کم دس پندرہ منٹ کے اتصال کے باوجود کوئی اثر نہیں کیا۔ یا اثر کیا بھی تو اتنا ناقص و کمزور جس کی کوئی وجہ عقل میں نہیں آسکتی۔ بجز اس کے کہ کسی بالاتر طاقت نے بجلی کے اثر کو کمزور بنا دیا۔

اور بس یہی تصرف روحانی علمدار حسینی حضرت عباسؑ کا ہے جن کو ہم رُو رُو کر دل کی آواز سے پکار رہے تھے۔ اور ہمارے ساتھ یہاں سے حرم مبارک سید الشہداءؑ تک سینکڑوں زائر ہمارے ہم آواز تھے۔

دوسری بات یہ کہ بجلی نے اپنا کام کیا۔ بچہ کی روح قفسِ جسدی سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ علی مرتضیٰؑ کے فرزند سید الشہداءؑ کے قوتِ بازو ہمارے فریاد رس ابوالفضل العباسؑ نے اپنی اعجازی طاقت سے (رضائے الٰہی حاصل کرنے کے بعد) دوبارہ خلعت حیات اس بچہ کو عطا کر دی زائر حسینؑ کو مبتلا و مصیبت نہیں ہونے دیا۔ بہر صورت یہ واقعہ اپنی جگہ اعجازی اور معجزاتی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو عراق میں موجود ہزاروں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

معجزہ نمبر (۶)

شاہ ایران موت کے منہ سے بچ گیا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

شاہِ ایران رضا شاہ مرحوم جو ایران کا فرمانروا تھا اپنے دورِ حکومت کے حالات کو کتاب "شاہ کی شاہ بیتی" میں تحریر کیا ہے کہ اس کتاب میں جہاں دیگر حالات کا تذکرہ کیا ہے وہاں چار معجزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان معجزات میں سے ایک معجزہ جناب عباسؑ علمدار کے نام نامی سے منسوب ہے۔ شاہِ ایران رضا شاہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے دور اقتدار کے زمانہ میں ایک دفعہ امام زادہ داؤد کے مزار پر زیارت کی غرض سے جا رہا تھا جو ایک پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ جب ہم پہاڑی

پر پہنچے تو چڑھائی کے دوران ہم اپنے گھوڑے سے گر پڑے اور نیچے چٹانوں پر آپڑے۔ یہ منظر دیگر لوگوں نے بھی دیکھا وہ سب یہ سمجھے کہ رضا شاہ پہاڑ سے گرتا ہوا نیچے چٹانوں پر جائے گا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آپ کو کیا بتاؤں مجھ کو تو خراش تک نہیں آئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم جیسے ہی گھوڑے سے گرے مجھ کو حضرتِ عباسؑ نے معجزہ کے طور پر سہارا دیا اور بڑے آرام اور اطمینان سے ایک چٹان پر روک دیا۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔ (بحوالہ کتاب شاہِ ایران کی شاہ بیتی صفحہ نمبر ۳۷۔ اردو ترجمہ۔ ناشر مکتبہ شاہ کار بنو کراچی)

معجزہ نمبر (۷)

نمک صحرا کے ریت میں تبدیل ہوگیا

علیؑ کا دبدبہ، جعفرؑ کی سطوت، عزم شبیریؑ
رہیں گے خاک روباہوں سے یہ مشک و علم والے
(محسن اعظم گڑھی)

ترکوں کی حکومت جب عراق پر تھی یہ واقعہ اسی زمانہ کا ہے کہ ان دنوں نمک کی برآمد پر غیر معمولی ٹیکس لیا جاتا۔ ایک غریب عرب نمک لیکر کسی دوسرے ملک سے عراق آیا۔ چونگی کے افسروں اور سپاہیوں نے اس غریب عرب کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران یہ روضۂ ابوالفضل العباسؑ تک باتوں باتوں میں پہنچ گیا۔

عرب نے نمک کو حضرت عباسؑ کی ضمانت میں دیدیا اور سپاہیوں سے کہا کہ اس کو اتارو دیکھو۔ سپاہیوں نے نمک اونٹوں سے اتارا تو کیا

دیکھتے ہیں کہ تھیلیوں میں ریت ہی ریت بھری ہے۔ سپاہی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور اس غریب عرب کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ سپاہیوں کے جاتے ہی نمک اصلی شکل میں آگیا۔ اس واقعہ کی شہر عراق میں کافی شہرت ہوئی اس محل پر ابراہیمؑ خلیل اللہ یاد آتے ہیں جن کے لئے ریگ صحرا آٹا بن گئی تھی۔ وہ نبی تھے۔ اور یہ علمدارِ سبطِ رسولؐ تھے۔ (بحوالہ کتاب العبد الصالح از مولانا آغا مہدی لکھنوی)

معجزہ نمبر (۸)

حضرت عباسؑ کی جھوٹی قسم کھانیوالے کو فوراً سزا ملی

علم عباسؑ کا دل سے لگائے جس کا جی چاہے
لہو میں ڈوب کر بھی مسکرائے جس کا جی چاہے
(فضل لکھنوی)

بحوالہ کتاب سفینۂ حیات صفحہ نمبر ۴۲ جلد ایک کے حوالہ سے مولانا آغا مہدی لکھنوی نے حضرت عباسؑ علمدار کا ایک معجزہ تحریر کیا ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ ایک عرب کو حرم حضرت عباس علیہ السّلام میں لائے اور کہا کہ تم اب حضرت عباسؑ کی قسم کھا کر کہو کہ تم نے ایک دینار نہیں لیا ہے۔ اس شخص نے قسم کھائی کہ میں نے ایک دینار نہیں لیا۔ اسی ہی وقت ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا۔ سارے لوگ حیران رہ گئے جھوٹی قسم کھانے کی سزا فوراً مل گئی۔ اور بحالتِ خراب اس شخص کو روضۂ مبارک سے نکال دیا گیا۔ اس قسم کا انتباہ بالکل برمحل ہے اگر صاحبِ مزار کی طرف سے چشم پوشی ہو تو وقار شہدا، گھٹتا ہے اور بڑھتی ہوئی جرأت سے نظامِ زندگی میں خلل ہو گا اور حرمت بھی برباد ہوتی ہے۔

معجزہ نمبر (۹)

علم مبارک حضرت عباسؑ علمدار کا معجزہ

بھائی نے جس کے لے کے علم جوشِ جنگ میں
اتنا کیا بلند کہ طوبیٰ بنا دیا
(مولانا قیس زنگی پوری)

بھرت پور مشرقی راجپوتانہ ایک ریاست ہے۔ یہاں پر جاٹ خاندان کی حکومت تھی۔ مسلمان بہ اعتبار قابلیت اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ خصوصاً سادات کو یہاں لوگ بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ پوری ریاست میں ایک آفت اور مصیبت نازل ہوگئی۔ جس نے ریاست کے تمام باشندوں کو پریشان کر دیا۔ یہ آفت سادات کی وجہ سے دور ہوگئی۔ جب سے سادات کی عزت میں اور اضافہ ہوگیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی

۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے کہ ریاست بھرت پور میں برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے باشندگان ریاست قحط کے خطرے سے سخت پریشان ہوگئے۔ اہلِ ہنود نے ریاست کے اخراجات پر "ہون" (ہندوؤں کی دعا) کرائی۔ لیکن نہ ایک قطرہ بارش ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف سبز رنگ کے ٹڈے فضا اور زمین پر نظر آئے۔ ہندو مذہب کی ایک مخصوص عبادت اور شب بیداری (اکھنڈ کیرتن) بھی مسلسل تین شب و روز جاری رہی اور راجہ اندر کو جو اہلِ ہنود کے مطابق بارش کا

دیوتا ہے۔ بید مارے گئے۔ لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں مایوسی ان کے چہروں سے آشکار تھی۔ بارش کے لئے مخصوص عبادت (نماز استسقاء) لیکن بے سود۔

اسی طرح ریاست کے اہلِ سنت حضرات نے نماز جمعہ کے بعد بارش کے لئے دعائیں مانگیں اور عیدگاہ میں نماز استسقاء ادا کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

جلوسِ علم حضرت عباسؑ علمبردار

آخر کار اہلِ تشیع حضرات نے ریاست کے صدر "مسٹر ہین کاک" سے جلوس علم مبارک حضرت عباسؑ کربلا لیجانے کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی لہٰذا ۲۹ اگست مطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ کو یکشنبہ تھا۔ چلچلاتی دھوپ اور جھلسا دینے والی لو چل رہی تھی۔ پنڈتوں اور جوتشیوں نے ۲۹ اگست کے متعلق پیشنگوئی کی تھی کہ اس دن بارش کا قطعی امکان نہیں ہے اسی لئے شہر کے تمام شیعہ حضرات نے محلہ گھیر سید صاحب، محلہ بڑہ کی ہاٹ اور محلہ ندیا سے دن کے دو بجے حضرت عباسؑ علمدار کا علم جلوس کی شکل میں برآمد کیا اور کربلا کی جانب جو شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع تھا روانہ ہوئے جلوس کے شرکا، نوحہ خوانی کرتے سینہ زنی کرتے ہوئے اور بازار کے مخصوص مقامات سے گزرے۔ جب جلوس شہر پناہ کی حدود سے نکل گیا تو بادِ مخالف شدّت سے چل پڑی۔ لو کے تھپیڑوں نے شدت اختیار کرلی۔ لیکن اہلِ جلوس بے نیازی کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے کربلا کی سمت رواں تھے۔ اسی طرح یہ جلوس کربلا میں شام کے چھ بجے پہنچ گیا۔

جب تک بارش نہیں ہوگی۔ ماتم ختم نہیں ہوگا۔

جونہی جلوس کربلا پہنچا ۔ ہوا رک گئی ۔ ماتمی دستہ اس مقام پر جہاں تربتیں دفن ہوئی تھیں جمع تھا اور نصف گھنٹہ سے ماتم حسینؑ میں مشغول تھا ۔ ہائے عباسؑ یا عباسؑ کی صدا سے کربلا کی زمین لرزہ براندام تھی معززین نے اعلان کیا کہ جب تک بارش نہیں ہوگی ۔ ہم سیدہؑ کے لال کا ماتم اسی طرح کرتے رہیں گے ۔ اور ماتم کو ختم نہیں کریں گے ۔

بارانِ رحمت :- بزرگ حضرات دعاؤں میں مشغول تھے جوان ماتم کر رہے تھے کہ یکایک بھرت پور کے شمال میں بھورے رنگ کی گھٹا نظر آئی اور چشم زدن میں پوری ریاست پر محیط ہوگئی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ۔ یہ نظارہ قابلِ دید تھا ۔ جتنی شدت سے بارش ہو رہی تھی ۔ مومنین اسی جوش و عقیدت کے ساتھ ماتم کر رہے تھے ۔ یہ بارش اس قدر خشک اور سرد تھی کہ بہت سے بچے اور ضعیف العمر شخص اس کی تاب نہ لا سکے ۔ اور کانپنے لگے ۔ ہر چہار طرف پانی ہی پانی تھا ۔ جسے ایچ انفرڈی کے افسران نے جو کوٹھی موتی جھیل میں مقیم تھے متاثرین کو کمبل اور آگ فراہم کی اور انھوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ شیعوں کے دیوتا کائنات پر پورا تصرف رکھتے ہیں ۔ کیونکہ وہ خدا کے بزرگ و برتر کے مطیع اور اس کے احکامات کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے اور اپنی زندگیاں اس کی راہ میں قربان کر دی ۔

بارش ختم ہونے پر جلوس کربلا سے واپس ہوا تو شہر کی سڑکوں پر اب بھی پانی بہہ رہا تھا ۔ دوکاندار بلا لحاظ مذہب و ملت شرکاءِ جلوس کو شہر میں داخل ہوتے دیکھ کر دوکانوں سے اتر پڑے اور ایک ہندو بنیئے نے دوسرے بنیئے سے باآوازِ بلند کہا لالہ دیکھ یہ ہیں جو پیاسے سے پانی مانگنے گئے تھے اور پیاسے نے بھی ایسا دھواں دھار پانی برسایا کہ

مچا آگیا اور وہ شیعوں کے اماموںؑ کی عظمت و اختیار کے قائل ہوگئے ۔ اس سال میں صرف یہی ایک بارش ہوئی جو پورے سال کی ضرورت کے لئے کافی ثابت ہوئی اور ریاست کو قحط سے بچا لیا ۔ صدر ریاست مسٹر ہین کاک اور والی ریاست مہاراجہ برج اندر سنگھ اور اعلیٰ حکام بہت متاثر ہوئے اور بارش کی برکت کے لئے شیعہ حضرات کے ممنون ہوئے ۔

دوسرے دن شیعہ حضرات نے بڑی زبردست کربلا میں مجلس منعقد کی جس میں تمام شہر کے لوگوں نے شرکت کی ۔ یہ تھی غازی عباسؑ علمدار کی غیبی مدد جس نے ریاست میں شیعوں کی عزت رکھ لی ۔ (اصلوٰۃ بر محمدؐ و آلِ محمد علیہ السّلام ۔ (بحوالہ کتاب تاریخ ظلم گنجِ شہیداں ۔ صفحہ نمبر ۲۰ تا ۲۲ از فیض بھرت پوری ۔

معجزہ نمبر (۱۰)

ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فوراً ملی

بازو جو کٹ گئے ہیں تو عباسؑ ہیں نڈھال
آنکھیں ہیں بند مشک کا تسمہ دہن میں ہے
(عبدالودود شمس)

جناب آغا مہدی صاحب قبلہ اپنی کتاب سوانح حضرت عباس علمدارؑ صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے چچا عالیجناب سید ابوالحسن صاحب پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے کربلائے معلیٰ کا ایک واقعہ بتایا کہ ۱۳۲۷ھ کے حدود میں ترکی کی فوج عراق میں آئی ۔ ایک فوجی آلاتِ حرب کے ساتھ روضۂ امام حسین علیہ السّلام میں داخل ہونے لگا ۔ خداموں نے منع کیا کہ ہتھیار اتار دیجئے ۔ پھر روضہ کے اندر جائیے ۔ لیکن یہ سپاہی نہ مانا ۔ بلکہ

ہتک آمیز الفاظ میں کچھ فقرے ادا کئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صاحبانِ مزار مشتِ خاک ہیں اور رعب کے ساتھ روضۂ امام عالیمقام میں داخل ہوا۔ ابھی وہ دروازے کے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اس مغرور شخص کے منہ پر ایک زور طمانچہ پڑا جس سے اس کا منہ پھر گیا اور جو پستول کمر میں وہ لگائے ہوئے تھا اس سے ازخود گولی چلی۔ گولی کی آواز نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرا لوگ اس کو اٹھا کر حرم سے باہر لے گئے۔ اس وقت خون اس کے جسم سے جاری تھا اور تھوڑی دیر کے بعد واصلِ جہنم ہو گیا۔ اس کی موت پر خدام اور اہلِ علم کو حیرت تھی کہ امام مظلومؑ کے روضہ میں ایسا پر ہیبت واقعہ کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اس ہی دن شب میں خداموں اور عالمِ وقت کو بشارت ہوئی کہ وہ بے ادب سپاہی حرم مبارک میں داخل ہو رہا تھا اس وقت بھائی کی خدمت میں بھائی حاضر تھا۔ یعنی مولا حضرت عباسؑ روضۂ مبارک امام حسینؑ پر حاضری دینے آئے ہوئے تھے۔ آپ اس کی گستاخی برداشت نہ کر سکے فوراً اس کو اس کی نازیبا حرکت پر سزا دی۔

بھائیوں ہم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعۂ کربلا کے وقت ناصرانِ حسینؑ نے کبھی دشمن کو امام عالیمقامؑ کی خدمت میں آلاتِ حرب کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب کبھی کوئی شخص امامؑ کے پاس آتا تھا تو یہ جان نثار فوراً اس کے ہتھیار اس کے جسم سے جدا کر دیتے تھے۔ پھر کہیں جا کر وہ شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔ بھلا آج عباسؑ اس روایت کو کس طرح توڑ دیتے۔ جبکہ آپ مظلومِ کربلا کے روضہ میں زیارتِ امامؑ کے لئے آئے تھے پھر اس گستاخ کو۔ ؎

"عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے"

معجزہ نمبر (۱۱)

حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو کہاں ہیں آ کر مدد کریں

دریائے وفا کے شناور ہیں عباسؑ — لاکھوں میں ہیں بے مثل دلاور عباسؑ
ٹل جائے ہر ایک بلا، بہ فیضِ عباسؑ — ہو جائیں اگر کسی کے یاور عباسؑ

(مولانا سید اختر علی مرحوم)

کراری ضلع الہ آباد یو۔ پی بھارت میں سادات کی ایک مشہور بستی ہے اسے عہد دیرینہ میں سید حسام الدین نے جو کہ جناب امام محمد تقیؑ ابن حضرت علی الرضا علیہ السّلام کی اولاد سے تھے۔ سنہ ۷۱۳ھ میں جنگل کاٹ کر اس شہر کو آباد کیا تھا۔ سید حسام الدین صوبۂ متھرا کے گورنر تھے اور بعد میں کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تھے۔ اسی دوران میں ریاست کو سمجھ کر کے واپس الہ آباد جاتے ہوئے کراری کو آباد کیا۔ ان کی تقریباً تمام اولادیں ہمیشہ زمیندار رہی ہیں۔ علم و فضل اور شجاعت و سخاوت ان کی نسل کا خاصہ ہے۔ ان کی اولادیں سید اعظم بھی گزرے ہیں جو صوبۂ مونگیر کے گورنر تھے اور علامہ قاری سید امیر حسن جیسی قابل ترین ہستی کا تعلق بھی اسی علاقہ سے تھا۔ آپ ملکۂ وکٹوریہ کے زمانۂ حکومت میں عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ سید حسام الدین کی اولاد نے بڑا عروج پایا جو بہت ہی کم کسی بستی کے لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی بھی آبادی ہے۔ لیکن سادات کا گھرانہ ہمیشہ ان سب لوگوں پر حکومت ہی کرتا رہا۔ اس علاقہ میں غیر سید اور غیر شیعہ کبھی بھی زمینداری حاصل نہیں کر سکے اور مسلمانوں کی تمام آبادی سادات کی خدمت گار کی حیثیت سے آباد رہی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہاں دیگر لوگوں نے بھی زمینداری حاصل

کر لی۔ جس کی بنا پر ان کے ملاؤں نے علاقے میں بدامنی پھیلانی شروع کر دی اور مذہبی اختلافات کو ہوا دینا شروع کیا اور علاقے میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ ہر دم مسلمانوں کے دونوں فرقے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہنے لگے۔ بعض اوقات یہ مُلّا ایسی کیفیت پیدا کر دیتے تھے جس کی وجہ سے فسادات رونما ہو جاتے تھے۔ اکثر بلوے بھی اٹھ کھڑے ہوئے ان مذہبی اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ سنہ ۱۹۲۳ء میں ایک زبردست بلوہ ہو گیا۔ جس کی مکمل روئیداد کتاب "بلوۂ کراری" سنہ ۱۹۲۵ء مصنّفہ سیّد ریاض حسین (مرحوم) قلمی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس عظیم بلوہ کے سلسلہ میں فخر الملّت عالیجناب سیّد ارتضیٰ حسین صاحب سابق نے ناظم شیعہ مشن پرگنہ کراری ضلع الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں جبکہ خلافت کمیٹی کا ہندوستان میں زور تھا ذمّہ دارانِ خلافت کمیٹی الہ آباد نے چاہا کہ شیعانِ کراری کو اپنے میں جذب کرا لیں لیکن شیعہ کلیتاً اس سے علیحدہ رہے اور ان کی تمام ترغیبوں اور ترکیبوں کے باوجود ان میں شامل نہ ہوئے۔ جس کے ردّ عمل میں انھوں نے شیعہ سنّی فساد کرانا ضروری سمجھا اور اس کے لئے انھوں نے تبرّا کو بہانہ قرار دیا اس طرح شہر میں بلوہ کرانے کی سعی کی لیکن اس زمانہ میں محسن علی سب انسپکٹر (سُنّی مذہب) جو کہ تھانہ منجھن پور میں تعینات تھے بغرض انتظام کراری تشریف لائے اور واپسی پر جا کر انھوں نے جنرل ڈائری میں رپورٹ درج کی کہ "کراری کے شیعہ سُنّی میں کشیدگی ہے اور کچھ اہلِ سنّت انھیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی حکمتِ عملی سے امسال فساد نہیں ہونے دیا۔ تاہم کنجڑوں اور جولاہوں نے جو اپنا تعزیہ شیعوں کے ساتھ مل کر اٹھاتے تھے امسال نہیں اٹھایا

ہے اور اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ آئندہ سال حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ شیعوں کے گلی کوچہ میں تبرّا[1] کہنے کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر بھی قطعی اور یقینی ہے کہ یہ عمل قدیم الایام سے ان لوگوں میں جاری ہے"۔

محسن علی کے تبدیل ہونے کے بعد گنگا دھر راؤ انسپکٹر اور ریاؤ رانگھ سب انسپکٹر تعینات ہوئے ان حضرات نے گاؤں کے چند پاسیوں کا دفعہ نمبر ۱۱۰ میں چالان کر کے شیعوں کی گواہی چاہی۔ شیعوں کے مسلمہ لیڈر جناب سیّد مظاہر حسین صاحب امیر صدر نے شیعہ گواہ گزارنے سے بالکل انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ جل بھن گئے اور انھوں نے کہا کہ اب ہم جو کچھ کریں اس کی شکایت نہ کیجئے گا۔

سال گذشتہ کے محرم کی رپورٹ سالانہ تھانہ میں موجود تھی اس میں ان لوگوں نے عبد اللہ خاں نائب تحصیلدار منجھن پور کے مشورہ سے نہ جانے کیا تغیّر کر دیا کہ اس رپورٹ پر حاکم ضلع نیوبی صاحب (انگریز) سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم جاری کر دیا کہ امسال منجھن مونی اور کراری میں ۱۰ محرم کو تبرّا (یعنی قاتلانِ حسینؑ اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کو بُرا) نہ کہا جائے۔ یہ حکم ۸ محرم سنہ ۱۳۴۱ھ کو کراری پہنچا۔ حالانکہ اس سے قبل کی تاریخوں ۵، ۶ اور ۷ محرم کو جلوسِ ذوالجناح و تابوت میں تبرّا ہو چکا تھا۔ اس حکم کے خلاف جناب کلکٹر صاحب کے روبرو درخواست دی گئی۔ اس پر مسٹر گوپی ناتھ ڈپٹی کلکٹر کراری آئے اور انھوں نے ہمارے حقوق کو تسلیم کر لیا اور حکم صادر

---

[1] "تبرّا سے مراد دشمنانِ آلِ محمدؐ اور قاتلانِ امام حسینؑ سے بیزاری ہے نہ کہ کسی فرقہ کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا"۔

فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ آپ لوگ دشمنانِ آلِ محمدؐ اور قاتلانِ حسین علیہ السّلام کو بُرا بھلا اہلِ شیعہ حضرات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن لفظِ خاموشی کو اہلِ تشیع حضرات نے ماننے سے انکار کر دیا اور احتجاجاً جلوس اور تعزیے نکالنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں ۲ دو ماہ آٹھ دن تک تمام تعزیے امام رکھے رہے اور اسی دوران شیعہ اکابرین نے اس حکم کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور ثبوت دعوے کے طور پر اہلِ ہنود اور اہلسنت حضرات کو پیش کر دیا بالآخر ضلع مجسٹریٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دیدیا اور ان لوگوں کو باآوازِ بلند دشمنانِ آلِ محمدؐ اور قاتلانِ حسینؑ کو بُرا بھلا کہنے کی اجازت مل گئی۔

فیصلہ کے وقت عدالت میں مولوی ولایت حسین اور خان اہلسنت کی طرف سے موجود تھے۔ ان کی زبان سے جہاد کا لفظ نکل گیا جس پر حاکم سخت برہم ہوا اور سپرنٹنڈنٹ کو مکمل انتظام کا حکم دیا۔ بالآخر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۲ء مطابق ۸ ربیع الاول کو بڑی شان و شوکت سے اور بڑے جوش و خروش سے تعزیے اٹھائے گئے۔ اس موقع پر دیگر ضلعوں سے بھی اہلِ تشیع حضرات زیارت کے لئے شریک ہوئے۔ شہر کے برادرانِ اہلسنت نے مقدمہ ہار جانے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب شیعہ حضرات کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اہلِ سنت کے مسلک سے تعلق رکھنے والے حکام اور رؤسا نے کراری آکر بار بار میٹنگ کی اور تمام کنجڑوں، کباڑیوں جولاہوں، نائیوں، کاسہ گروں، نانبائیوں دھوبیوں اور بہشتیوں کو ابھار کر سب سے پہلے شیعہ حضرات کا بائیکاٹ کرایا۔ پھر ایک زبردست بلوہ کرایا۔

یہ بلوہ ۶ر رمضان المبارک مطابق ۲۴ر اپریل ۱۹۲۳ء بوقت ۷ بجے صبح رپورٹ کے مطابق ایک مجلس کے حوالے سے ہوا۔ یہ بلوہ پوری تیاری کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ تقریباً دو ہزار افراد

رات کے وقت کراری اور اس کے اطراف کے قصبہ سے آکر ایک مخصوص مقام پر جمع کئے گئے۔ اور چھیڑ چھاڑ کے لئے دس افراد رات ہی کو میر مظاہر حسین صاحب رئیس کے مکان کی طرف سے شور و غل کرتے ہوئے گزرے انھوں نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان سرکشوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ سب میر صاحب کے پاس حاضر کئے گئے اور معافی مانگ کر چلے گئے۔ میر صاحب کے دروازے کے حدود سے نکل گئے تو گالیاں دیتے ہوئے بھاگ گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع میر صاحب نے سیّد فیض محمد صاحب محلہ شریف آباد کو رات ہی رات کرادی۔ لیکن اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر جب صبح کو گھر کا پرا کے امام باڑے کے میدان میں بلوائی لوگ آپہنچے تو سیّد موسیٰ رضی صاحب دوڑے ہوئے محلہ شریف آباد پہنچے اور سیّد سبط حسن صاحب سے کہا کہ جلدی سے امام باڑے کی طرف چلو بندوق ساتھ لے لو حملہ آور آگئے ہیں۔ الغرض ادھر سے شریف آباد تلیا کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور دیگر حضرات بھی اِدھر اُدھر سے آگئے۔ بلوائیوں نے تین طرف سے ان مختصر سے لوگوں کو جنکی تعداد ۲۴۔۲۵ سے زیادہ نہ تھی۔ گھیر لیا جن میں بعض مومنین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

جناب سیّد محمد اختر، سیّد فیض محمد، سیّد سرور حسین، سیّد رونق حسین سیّد ریاض حسین، سیّد ارتضیٰ حسین، سیّد سلطان حسین، حسن رضا، سیّد ظہیر حسن، سیّد اظہر حسن، سیّد کاظم حسین، عالم علی عرف بدا، سیّد کرم حسین، سیّد سبط حسن، سیّد موسیٰ رضا، سیّد نظیر العباس، سیّد سبط حسن، سیّد واحد حسین، سیّد الفدا حسین، میر صدر، سیّد آباد حسین، سیّد نظر عسکری سیّد بشارت حسین، سیّد ظہیر عباس وغیرہ۔

بلوائیوں نے ان بنی فاطمہؑ کو گھیر کر پہلے ایک مسجد کی اینٹیں نکال کر خشت باری کی اور اس شدّت سے خشت باری کی کہ کہنہ مسجد اپنی بیخ دین سے ختم ہوگئی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کے لاٹھیوں سے حملہ کیا۔

اب کیا تھا فرزندانِ فاطمہؑ پوری جرأت کے ساتھ میدان میں کود پڑے اور دلیری کے ساتھ لڑے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان حیدری شیروں نے تین بار بلوائیوں کو امام بارگاہ کے اطراف سے بھگا کر کربلا کے قبرستان تک پہنچا دیا۔ بالآخر مولوی عبدالستار جو کہ ان کا لیڈر تھا اس نے واپس آتے ہوئے راستہ میں حلف اٹھایا کہ اس حملہ میں سب کا خاتمہ کردوں گا اور مظاہر حسین کا سر لاؤں گا۔ الغرض شکست خوردہ پھر واپس آیا اور اس نے لاٹھیوں سے جنگ شروع کردی۔ اس جنگ میں سید محمد اختر، سید سرور حسین، اور سید ظہیر حسن بہت زیادہ زخمی ہوگئے۔ بالآخر سید بشارت حسین صاحب نے سید محمد اختر حسین کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے مکان کے چبوترے پر چڑھا لیا اور ان سے کہا کہ بیٹھ کر بندوق سے فائر کرو۔ مولانا نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سید ناصر حسین جو کہ اس وقت یہاں کمسن تھے اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

مولانا نجم الحسن صاحب کراروی مرحوم کا بیان ہے کہ بھائی محمد اختر کے جسم سے اس قدر خون نکل چکا تھا کہ وہ بندوق چلاتے وقت اونگھ جاتے تھے اور سید بشارت حسین صاحب جھنجھوڑتے اور چونکاتے تھے اسی دوران میں ایک اینٹ کوٹھے پر سے آکر انگوٹھے پر لگی اور بندوق زمین پر گرگئی سید بشارت حسین صاحب نے پھر بندوق اٹھا کر دی اور سید محمد اختر نے سنبھل کر فائر کیا تو ایک کھنّا نامی جولاہا زمین پر گرا۔ اس کے لڑکے نے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا تو محمد اختر نے دوسرا فائر کردیا۔ جس سے وہ گر پڑا۔

ادھر ایک بڑے گروہ نے تھوڑے سے آدمیوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالا چاہا۔ اسی دوران میں سید فیض محمد کے سر پر سولہ لاٹھیاں پے در پے لگیں اور وہ گر پڑے اتنے میں ان کے منجھلے لڑکے سید نذر العباس ان کے اوپر لیٹ گئے، تاکہ مزید زخم ان کے نہ لگنے پائیں اسی دوران میں مولانا عبدالستار ایک موٹا سا ڈنڈا لیئے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا اور اس نے چاہا کہ ایک ہی وار سے فیض محمد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کردے اتنے میں ان کے منہ سے یہ نکلا "بلاؤ عباسؑ کو کہاں ہیں آکر مدد کریں۔

یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے کہ عالم علی بڈا جو کہ سید انصار حسین کے دالان کے ایک کھمبے میں بندوق لیئے چھپے تھے۔ ان کے کان میں کسی نے کہا فائر کردو۔ وہ فوراً نکل پڑے اور اس کے سینے پر فائر کرتے ہوئے کہا۔ " یہ آئے حضرت عباسؑ"

اس کے اِدھر گولی لگی اُدھر سید محمد اختر نے دوسرے پر فائر کیا ہی تھا کہ بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے بعد لوگ زخمیوں کو اٹھا کر میر مظاہر حسین صاحب امیر صدر کے مکان پر لائے۔ سید فیض محمد صاحب جو کہ مولانا نجم الحسن کے والد تھے انھیں مولانا کے نانا مظاہر حسین اور پھوپی زاد بھائی سید محمد اختر پکڑ کر گھرے گئے۔ اسی دوران میں بلوائیوں نے محمدلوی سید محمد عباس صاحب کو ان کے گھر پر جا کر قتل کردیا۔ اس کے بعد سید رونق حسین صاحب منجھن پور میں جاکر رپورٹ درج کرائی اور پولیس آگئی اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ ۴۱ شیعہ اور ڈیڑھ سو دیگر حضرات گرفتار ہوگئے۔ ان لوگوں کو پہلے حوالات میں پھر جیل میں پہنچا دیا گیا اور مقدمہ چلنے لگا۔ کچھ شیعہ لوئر کورٹ سے چھوٹے کچھ سشن سے ۲۸ شیعوں کو کالا پانی اور میر سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر سید محمد اختر اور عالم علی کو سزائے موت کا حکم سشن عدالت نے

سنایا۔ پھر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو میر مظاہر حسین بے داغ بری ہوئے اور عالم علی کو ایک سال کی سزا ہوئی اور محمد اختر کو ۱۴ سال کی سزا ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے سب کے قتل کا ایک خواب کی وجہ سے اقبال کر لیا تھا۔ دس شیعوں کو ایک ایک سال کی سزا تجویز ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے ہری موہن بیرسٹر اور مسٹر بوائے بیرسٹر کے علاوہ دیگر شیعہ وکلاء نے وکالت کی جبکہ دیگر لوگوں کی طرف سے سیٹھ چھوٹا بھائی اور دیگر رؤساء ملک نے حصہ لیا۔

یہ مولا عباسؑ علمدار کی غیبی مدد تھی کہ اتنے بڑے حملہ آوروں کو چند مومنین نے مار کر بھگا دیا۔ اور بعض شر پسندوں کو ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔ یہ مقدمہ جب چلا تو اس میں خصوصی طور پر مومنین کراری، مومنین پرگنہ، اور یو۔ پی ہندوستان کے اہل تشیع حضرات نے بھرپور حصہ لیا۔ جس میں حجۃ الاسلام شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ، والیٔ ریاست رامپور، مولانا سید محمد دہلوی، راجہ منظور حسین انبالہ، ٹھاکر ستیلا بخش سنگھ منیجر ریاست ٹانڈہ، مولوی حیدر مہدی، وکیل ظفر مہدی بیرسٹر، بیرسٹر نواب مہدی حسن لکھنوی، تفضل حسین جونپور، ڈاکٹر سید جعفر حسین کراروی ڈی لٹ لندن، چودھری غلام حیدر منجھن پور، سید محمد عباس موئی، سید محمد یعقوب کراری، سید امیر الاعظم، محمد مظہر سید، سید علی اصغر، سید ضمیر الحیدر سید وصی حسن قابلِ ذکر ہیں۔

(بحوالہ ذکر العباس علیہ السلام از مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم)

معجزہ نمبر (۱۲)

سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا

سقائے حرمؑ جب قتل ہوا خیموں میں اداسی پھیل گئی
بچوں نے نہ پھر مانگا پانی گو ہاتھ میں خالی جام رہے (قرار لکھنوی)

کتاب موسع الغموم صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۵ سن طبعات ۱۲۹۳ء لکھنؤ اور کتاب ذکر العباسؑ از مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم صفحہ ۴۴۳ تا ۴۴۴

کربلائے معلّٰی کے رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں مشغول درس تھا۔ کہ ایک روز ایک شور مچا کہ حضرت عباس علیہ السّلام کے روضہ میں معجزہ ہوا ہے یہ سنکر استاد محترم نے درس سے، ہم لوگوں کو فارغ کر دیا میں دوڑا ہوا روضہ حضرت عباسؑ پہنچا، وہاں جاکر دیکھا کہ روضہ کے اندر بہت سے حضرات جمع ہیں اور سب کے سب بالکل خاموش ہیں اور ایک عورت فرش پر بیہوش پڑی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا معجزہ ہوا ہے اور اس عورت کو کیا ہو گیا ہے مگر کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب کے سب بالکل خاموش کھڑے رہے۔ بہت دیر کے بعد ایک شخص نے چھت کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی طوق ایک قندیل سے چپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی بیہوش عورت کے رشتہ دار آ گئے۔ اور انھوں نے بڑی آہ و زاری کے ساتھ مولا عباسؑ کی خدمت میں فریاد کی کہ مشکلکشا کے فرزند کو رحم آ گیا۔ عورت فوراً ہوش میں آ گئی۔ دریافت کرنے پر اس عورت نے جو بیان دیا وہ سنئیے۔

اس عورت کا بیان ہے کہ اس کا لڑکا جو اس وقت اس کے پاس

بیٹھا تھا۔ ایک بار علیل ہوگیا تھا اور میں نے منت مانی تھی کہ یہ طوق گراں جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت پر نذر حضرت عباس علیہ السّلام پر کروں گی۔ اب جبکہ میرے اس لڑکے کو کامل صحت مل گئی تو میں طوق ضریح مبارک حضرت عباسؑ پر چڑھانے کے لئے لائی تھی۔ ابھی طوق کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہوگیا کہ چونکہ یہ کافی وزنی اور قیمتی ہے لہٰذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤں گی۔ میرے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی اس کے بعد میں بے ہوش ہوگئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔"

معجزہ نمبر (۱۳)

حضرت عباس علیہ السّلام نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑ دیئے۔

ہم چاند پر حسینؑ کا غم لیکے جائیں گے   عباسؑ نامور کا علم لیکے جائیں گے

کتاب حزن المومنین میں ہے کہ عرب و عجم کے دستور کے مطابق عباس آباد شہر میں مومنین نے یوم عاشورہ شبیہ حضرت عباسؑ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے وہ نیک قسم کے نوجوان کی تلاش میں تھے۔ ناگاہ ایک مرضی کے مطابق نوجوان نظر آیا۔ اس سے انھوں نے اپنے مقصد کو ظاہر کیا وہ بہت خوش ہوا اور شبیہہ بننے پر تیار ہوگیا۔ الغرض اس کو شبیہہ عباسؑ بنا کر انھوں نے مراسمِ غم ادا کئے اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہوگئی جو سخت ترین ناجی تھا۔ جب یہ نوجوان گھر گیا تو اس کے باپ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے سب واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا تو کیا عباسؑ کو دوست رکھتا ہے اس نے کہا بیشک۔ یہ سنکر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے

دونوں ہاتھ جدا کر کے کہا لے۔ اب تو صحیح تصویر بنا ہے۔ وہ غریب اس صدمے سے زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹتی ہوئی قریب آئی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بولی کہ اے ظالم تو روزِ محشر رسولِ خدا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو کیا جواب دے گا۔ اس نے کہا کیا تو ان لوگوں کو دوست رکھتی ہے اس نے جواب دیا کہ بیشک ان پر ہمارا ایمان ہے یہ سنکر اس ظالم نے اس عورت کی زبان کاٹ دی اور اس کی آغوش میں بیٹے کو ڈال کر کہا کہ جا قیامت کے دن تو اپنی بی بی فاطمہؑ اور عباسؑ سے شکایت کر کے مجھ کو عذاب میں مبتلا کرا دینا اس کے بعد ان دونوں کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے ہمراہ ہاتھوں سمیت ایک عزاخانہ میں چلی گئی اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال کر قریب بیٹھ کر محو گریہ و بکا ہوئی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا غم نہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک بی بی نے اس کی زبان کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دہن لگا دیا وہ ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد یہ بیبیاں جانے لگیں اس مومنہ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ میرا لڑکا زیر منبر پڑا ہے اسے بھی درست کر دیجئے۔ انھوں نے فرمایا اس کو حضرتِ عباسؑ نے ٹھیک کر دیا ہوگا تو جا کر اپنے لڑکے کو دیکھ لے۔ یہ مومنہ فوراً اٹھ کر اپنے بیٹے کی طرف گئی۔ منبر کے پاس اس کا بچہ ٹھیک ٹھاک حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ مومنہ اسی وقت ان بیبیوں کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں ان میں سے ایک معظمہ نے کہا میں حسینؑ کی دکھیاری ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد

وہ بیبیاں نظروں سے غائب ہوگئیں اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا واقعہ تیرے ساتھ پیش آیا۔ کس طرح تیرے ہاتھ ٹھیک ہو گئے۔ لڑکے نے کہا میں عالم بیہوشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے قریب تشریف لائے اور مجھ کو مخاطب کر کے کہنے لگے گھبرا نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے ہاتھوں کو میرے جسم سے ملا کر کچھ فرمایا میرے ہاتھ فوراً ٹھیک ہو گئے۔ میری تکلیف جاتی رہی۔ میں نے فوراً ان کا دامن تھام لیا اور ان کی خدمت میں عرض کی حضور آپ کون ہیں۔ انھوں نے فرمایا میں "عباسؑ" ہوں میں نے درخواست کی کہ آپ اپنے دستِ مبارک دیجیے تاکہ میں بوسہ دے سکوں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں وہ کربلا کے میدان میں اس اسلام پر قربان ہو گئے اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔

عباسؑ آبرو پہ بڑا حرف آئے گا!
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا (راجہ محمود آباد)

معجزہ نمبر (۱۴)

مشکِ سکینہ کو چھیدنے اور حضرت عباس علمدارؑ کے ہاتھ شہید کرنیوالا
اسحاق بن حویہ کا حشر

زندہ دل شیر جری روح وفا ہیں عباسؑ ہر گھڑی شمع امامت کے فدا ہیں عباسؑ
مرتے دم تک رہے پروانہ صفت شہؑ پہ نثار تقویت تھی بھرے گھر کو کہ ابھی ہیں عباسؑ
(سید مختار عابدی برستی)

علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں کہ عبداللہ رہوازی کا بیان ہے کہ میں

ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر تھا جو مکروہ صورت تھا۔ زبان خشک منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی وہ عصا کے سہارے سے راستہ چل رہا تھا اور بھیک مانگتا پھرتا تھا میں نے جونہی اس حال میں دیکھا میرا بدن لرز اٹھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے میری طرف توجہ کئے بغیر اپنی راہ لی، میں نے اسے قسم دیکر پوچھا کہ تو اپنا حال بتا کہ تیری شکل اتنی مکروہ کس طرح ہوگئی ہے کہ جس کو دیکھ کر کراہیت آتی ہے اور خوف آتا ہے۔ اس نے کہا بھائی میرا حال نہ پوچھو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز نہ مانوں گا جب تک تو مجھ کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نہیں مانتے تو پھر پہلے مجھے کچھ کھلاؤ کیونکہ بھوک کی شدت سے میرا حال بہت بُرا ہو رہا ہے میں نہ تو بول سکتا ہوں اور نہ کہہ سکنے کی ہمت ہے کھانا کھانے کے بعد میں اپنی غم آفرین داستان تمہیں سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور خوب اچھی طرح اس کی شکم سیری کرائی جب اُسے سکون ہوا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم عمر ابن سعد ملعون ازلی کو جانتے ہو۔ میں نے کہا جانتا ہوں پھر میں نے اس سے کہا کہ تیرا اس ملعون ازلی سے کیا واسطہ۔ اس نے کہا کہ واقعہ کربلا میں مَیں اس کا علمدار تھا اور میرا نام ہے اسحاق بن حویہ، اس کے کہنے پر اس کے منہ سے تارکول کی بو آنے لگی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ رزم گاہِ کربلا میں عمر بن سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت سے پانی نہ پہنچنے دیا جائے۔ چنانچہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا اور شب و روز پوری بیداری کیساتھ

امام حسینؑ تک پانی پہنچنے کو روکتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے لشکر والوں تک کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ کہیں ہم میں سے کوئی خفیہ طور پر امام حسینؑ تک پانی پہنچا دے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقہ سے امام حسینؑ کے ایک خیمہ تک جا پہنچا تاکہ ان کے ارادے معلوم کروں۔ میں چھپا ہوا بیٹھا ہی تھا کہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ میں گفتگو کی آواز آنے لگی اس بات چیت میں میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بیحد متاثر ہیں۔ حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ اے بھائی مجھے اب اطفال میں پیاس کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے انتہائی پُردرد نالے سنے جاتے ہیں۔ میرے آقا اب تک دو خیموں کے اندر کنواں کھود چکا ہوں لیکن پانی دستیاب نہیں ہوسکا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ عباسؑ اگر تم ان انسان تمام لوگوں کے پاس جاکر پانی طلب کرو تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دیدیں۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا مولا کئی بار ایسا بھی ہوچکا ہے جتنی مرتبہ گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سنکر حضرت امام حسینؑ بیحد متاثر ہوئے اور بیساختہ رو پڑے۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا مولا آپ متاثر نہ ہوں میں صبح کو ایک بار پھر سعی بلیغ کروں گا اور انشاءاللہ پانی حاصل کرلوں گا۔ یہ سنکر حضرت امام حسینؑ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اے عبداللہ میں یہ تمام باتیں پس پردہ سنکر اپنی جگہ واپس گیا اور میں نے تمام واقعہ عمر بن سعد ملعون سے بیان کیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کرکے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جبکہ عباسؑ ابن علی علیہ السلام کے آمد کی توقع تھی اے عبداللہ جب صبح کا وقت ہوا اور کارزارِ کربلا شروع ہوگیا تو وہ موقعہ پیش آیا جس میں عباسؑ ابنِ علیؑ امام حسینؑ کے

پاس سے روانہ ہوکر طلب آب کے لئے نہر فرات کی طرف آئے وہ اس وقت شیر ببر کی طرح غضبناک تھے۔ ان کے نہر پر پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کردیا تیر بارانی کرنے والوں نے تیر برسائے نیزہ مارنے کی سعی کرتے رہے۔ اے عبداللہ حضرت عباسؑ ابنِ علیؑ پر اس قدر تیر مارے گئے کہ ان کا بدن سیاہی کے مانند ہوگیا اور جسم پر ان کے تیر ہی تیر نظر آنے لگے۔ مگر وہ بلا کے بہادر تھے۔ انھوں نے اپنی ہمت پست نہیں ہونے دی اور وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کرکے نہر فرات پر جا پہنچے اور انھوں نے اپنے گھوڑے کو نہر فرات میں ڈالدیا اور چلو میں پانی لیا اور لشکر کی طرف کرکے دکھایا کہ اے فوجِ یزید ملعون دیکھو تمہارے گھیرے پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے لیکن ہم اس کو اس وقت تک نہیں پئیں گے جب تک میرے آقا حسینؑ اور ان کے بچے نہ پی لیں اور پانی کو دشمن کی طرف اچھال دیا۔ میں نے اس وقت پوری سعی کی کہ عباسؑ پانی نہ پی سکیں۔ میں نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اب پوری توجہ سے کام کرو دیکھو اگر عباسؑ نے پانی پی لیا تو پھر ان سے کوئی بھی مقابلہ کسی صورت سے نہیں کرے گا۔

چنانچہ میرے لشکریوں نے پوری توجہ دی اور ان پر حملہ شروع کردیا وہ مشکیزے کو نہر سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے۔ اے عبداللہ وہ اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہم سب حیران تھے۔ لشکر چاروں طرف سے حملہ کررہا تھا اور وہ سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہانتک کہ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو ایک کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت عباسؑ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا اور زمین پر گر پڑا۔ اس وقت انھوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ مشک و علم کو بائیں ہاتھ سے

سنبھالا اور جنگ کو جاری رکھا اور لوی پوری بہادری سے کثیر افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اے عبداللہ ہماری تمام تر سعی اب یہ تھی کہ پانی خیمۂ حسینؑ میں پہنچنے نہ پائے چنانچہ ہم سب ہی اسی سعی میں پوری طاقت کے ساتھ لگ گئے۔ ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں ان کے قریب جا پہنچا اور نیزے کا ایک ایسا وار کیا کہ مشکیزہ چھد گیا اب میں اس مقام سے دور جانا چاہتا تھا کہ حضرت عباسؑ نے مجھ پر حملہ کر دیا میں نے اس کے جواب میں ایک ایسا وار کیا کہ ان کا بایاں ہاتھ کٹ گیا اور ایک شخص نے بڑھ کر گرز آہنی سے ان کے سر کو شگافتہ کر دیا۔ دریں اثنا وہ گھوڑے سے زمین کی طرف چلے اور انھوں نے امام حسینؑ کو آواز دی۔ عباسؑ کی آواز سن کر امام حسینؑ ان کی طرف عقاب کی تیزی کی طرح نہایت سرعت سے پہنچے راستہ میں لوگ حائل ہوئے ان کو شمشیر سے دور کیا اور وہاں پہنچ کر جناب عباسؑ کی حالت دیکھ کر بہت روئے۔ اے عبداللہ انھوں نے حضرت عباسؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ جسم سے جدا ہو چکے تھے اور ان کا سر شگافتہ تھا۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا صدائے گریہ و نالہ اش بلند شد۔ یہ دیکھ کر آپ کے منھ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے پھر امام عالیمقام زمین پر بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنے بھائی کا سر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے چہرے کا خون صاف کیا۔ پھر دونوں بھائیوں میں کچھ گفتگو ہوئی۔۔۔۔ حضرت عباسؑ کی روح پرواز کر گئی تو حضرت امام حسینؑ اٹھے اور انھوں نے ہمارے لشکر پر بھرپور حملہ کیا اور تہس نہس کر ڈالا۔ ہم لوگوں نے پورا پورا مقابلہ کیا آخر میں شکست کھا کر ہم لوگ بھاگ نکلے اسکے بعد امام حسینؑ نہر فرات پر گئے ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں حسینؑ پانی نہ

پی لیں ان کو پکار کر کہا کہ آپ پانی کے پاس ہیں اور لشکر خیمہ گاہ میں گھس گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً خیموں کی طرف دوڑے وہاں پہنچ کر محسوس کیا کہ ہمیں فوج یزید نے دھوکا دیا ہے۔

عبداللہ ہوازی کہتے ہیں کہ میں نے جب اس واقعہ کو سنا تو خون پھڑ پھڑانے لگا اور مجھے اس قدر رنج پہنچا کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا اس کے بعد میں نے اسے ایک دوسرے مکان میں ٹھہرایا۔ اور کہا کہ تو اس جگہ بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ باہر آیا اور ایک دوسرے دروازے سے اپنی شمشیر لے کر داخل ہوا اس نے جب شمشیر برہنہ میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہنے لگا کہ مہمان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے؟ میں نے کہا امام حسینؑ بھی تو خود نہ گئے تھے ان کو بھی مہمان ہی تم لوگوں نے بلایا تھا۔ پھر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا وہی مناسب تھا جو تم لوگوں نے انھیں مہمان بنا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ کوئی اور سزا ممکن ہوتی تو میں تجھے وہی سزا دیتا۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی نعش نذرِ آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اڑا دی۔ (بحوالہ کتاب دار السلام طبع ایران و کتاب زندگی شہدا ابوالفضل ص۵۳ ایران)۔

پھینکا عباسؑ نے چلّو میں اٹھا کر پانی — عرقِ شرم میں کیونکر نہ رہے تر پانی

معجزہ نمبر (۱۵)

ماں کی پاکدامنی پر پیٹ کے بچّہ نے گواہی دی

سقائے سکینہؑ سا نڈر شبیر نہیں — سچ کہنا جہاں میں کوئی اندھیر نہیں

شبیرؑ کے لشکر میں نہ کیوں پیش رہیں ‏ ‏ عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں

(باقر دہلوی)

ایک شخص کو اپنی زوجہ پر شک ہو گیا کہ یہ بچّہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے اس شخص کا نہیں ہے بلکہ حمل کسی اور شخص کا ہے۔ باہمی نزاع نے یہانتک نوبت پہنچائی کہ مرد اپنی بیوی کو قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ عورت نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں روضۂ ابوالفضل العباسؑ تک جاؤں۔ شوہر اس بات پر راضی ہو گیا میاں اور بیوی دونوں روضۂ مبارک حضرت عباسؑ پر حاضر ہوئے عورت نے بارگاہِ ابوالفضل العباسؑ میں دعا کی کہ مولا یہ بچہ جو میرے پیٹ میں جنم لے رہا ہے گواہی دے کہ یہ کس شخص کا ہے تاکہ میری بے گناہی ثابت ہو سکے۔

دل سے نکلی ہوئی سچی دعا اثر رکھتی ہے۔ دعا بارگاہِ ابوالفضل العباسؑ میں مستجاب ہوئی پیٹ کے بچہ نے اس مومنہ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ (صلواۃ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر) اور مومنہ باعزّت روضہ سے گھر واپس ہوئی۔ شوہر بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے اپنی بیوی سے معافی مانگی اور اس طرح جناب عباسؑ نے اس مومنہ کی جان بخشی کرادی۔ (بحوالہ کتاب زاد السّلاق سفرنامۂ عراق صفحہ نمبر ۶۲ و سوانح عباسؑ دلاور از آغا مہدی لکھنوی صفحہ ۲۴۹)

معجزہ نمبر (۱۶)

روضۂ عباسؑ جہاں بیمار شفا پاتے ہیں

حضرتِ عباسؑ کو کب ہے سپر کی احتیاج ‏ ‏ خود شجاعت جنگ میں سینہ سپر ہو جائے گی

(سید محمد کاظم جاوید)

شہر بمبئی کا واقعہ ہے کہ ایک لکھ پتی سیٹھ کا لڑکا کسی موذی بیماری میں گرفتار ہو گیا۔ اس سیٹھ نے اس لڑکے کے علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سیٹھ کا یہ اکلوتا لڑکا تھا ہر وقت بیٹے کی صحت کے لئے فکر مند رہتا تھا۔ آخر بچہ کی بیماری سے مایوس ہو کر گھر میں بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا جہاں تم نے اس بچّہ کے علاج پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے وہاں اس کو تم ملک عراق میں حضرت عباسؑ علمدار فوجِ حسینیؑ کے روضہ پر لے جاؤ اور اپنے ساتھ اس بچہ کو بھی لے جاؤ۔ انشاء اللہ یہ بچّہ روضۂ حضرت عباسؑ پر ضرور صحت یاب ہو جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؑ باب الحوائج ہیں ان کے در پر جو پریشان حال اور مصیبت زدہ شخص جاتا ہے یہ اس کی داد رسی ضرور کرتے ہیں۔ سیٹھ اپنے بچّے کو لیکر فوراً سفرِ عراق پر روانہ ہو گیا۔ عراق پہنچ کر روضۂ حضرت عباسؑ پر حاضری دی اور اس بیمار بچّہ کو مرقد اطہر کی جالیوں سے باندھ کر خود مسافر خانہ میں آکر سو گیا۔ ابھی سوئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دربار لگا ہوا ہے، مولا علیؑ مسند پر تشریف فرما ہیں۔ فریادیوں کی درخواست مولائے کائناتؑ کی خدمت حضرتِ عباسؑ پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السّلام ہر درخواست پر دستخط کرتے جاتے ہیں۔

آخر میں اس سیٹھ کے لڑکے کی درخواست پیش ہوئی۔ جناب امیر علیہ السّلام نے کہا اس درخواست کو رہنے دو۔ یہ بہت دیر سے آیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ جناب عباسؑ مچل گئے اور اپنے بابا مشکلکشا سے عرض کرنے لگے بابا یہ زائر اور فریادی میرے روضہ پر آیا ہے۔ اگر نا امید ہو کر چلا گیا تو پھر کون آیا کرے گا۔ آپ نے تو میرے دروازے پر باب الحوائج (حاجتوں کا گھر) لکھا ہوا ہے۔ اگر لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہوئیں تو بابا یہاں کون آئے گا۔ یا تو اس کی دستخط کر دیجئے یا آپ باب الحوائج کو مٹا دیجئے۔ مولا نے اس سیٹھ کی

درخواست پر دستخط کر دیئے۔ سیٹھ کہتا ہے کہ میری فوراً آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا لڑکا بالکل تندرست خداموں کے ساتھ مسافر خانہ میں کھڑا ہے۔ میں بچے کو لے کر فوراً روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور ہم باپ بیٹوں نے ضریح مبارک کا طواف کیا اور خوشی خوشی وطن واپس ہوئے۔ (صلواۃ محمدؐ و آلِ محمد علیہ السلام)۔ (بحوالہ سات معجزے صفحہ نمبر ۵۵، ناشر افتخار بکڈپو۔ لاہور)

معجزہ نمبر (۱۷)

حضرت عباس علمدارؑ کی حاضری کی منت نے گونگے کو زبان دیدی

ہم پر نہ چلا زور زمانے میں کسی کا — جب نام لیا حضرت عباس علیؑ کا

محلہ لکڑ منڈی وزیر آباد پنجاب میں اہلِ سنت والجماعت کا ایک گھرانہ عاشقِ آلِ محمدؐ علیہ السلام تھا اس گھرانہ میں ایک جوان لڑکا اعجاز عرف پھالی کی زبان تشدد کی وجہ سے گونگی ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اشاروں سے بات چیت کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اعجاز کو ساتھ لے کر امام بارگاہ قاضی غالب علی شاہ (وزیر آباد) جا کر منت مانی کہ اس نوجوان کی زبان ٹھیک ہو جائے اور یہ گفتگو کرنے لگے تو ہم لوگ اس امام بارگاہ کی حاضری کریں گے۔ مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۱۹۸۲ء کو اعجاز عرف پھالی کی زبان اچانک نعرۂ حیدری یا علیؑ مارنے سے بالکل درست ہو گئی پھر کیا تھا ان لوگوں نے پورے محلہ میں مٹھائیاں تقسیم کیں اور اعجاز عرف پھالی نے مذہب حقہ کو قبول کر لیا۔ (بحوالہ پندرہ روزہ العمران لاہور ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء شمارہ ۵)

معجزہ نمبر (۱۸)

لکھنؤ یو۔پی میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت الناس ہے — نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ ہے نہ عباسؑ ہے

قدیم لکھنؤ کے غربی حصہ میں ایک محلہ ہے جس کا نام رستم نگر ہے یہاں پر ایک مقدس عمارت ہے جو درگاہ حضرت عباس علمدار کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے۔ شیعی دنیا کے بیشتر افراد لکھنؤ پہنچنے پر یہاں کی زیارت کو جانا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

اس عمارت کی بنیاد مرزا فقیر بیگ نے اس دور میں رکھی تھی جب نواب مرزا یحییٰ خاں عرف مرزا امانی ملقب بہ نواب آصف الدولہ بہر جنگ فیض آباد چھوڑ کر گومتی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور لکھنؤ شہر کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ نواب کا سن جلوس ۱۱۸۸ھ اور تاریخ وفات ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ ہے اس مقدس اور متبرک درگاہ کی شہرت اور مقبولیت کا راز ایک "علم" کی وجہ سے ہے جس کو لوگ حضرت عباس علمدارؑ کے علم کی شبیہ کہتے ہیں اس علم مبارک کے کراماتی فیض سے ہزاروں آدمیوں نے استفادہ حاصل کیا ہے۔ غیر شیعہ واقعہ نگاروں نے اس درگاہ اور علم کی مقبولیت کے لئے دو قول تحریر کئے ہیں۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک درویش تعزیت حسین بقول عبداللطیف لوہانی خالص پوری علم مبارک ملک شام عرب سے لیکر آئے اور اس کو اس درگاہ میں نصب کیا۔ شہر لکھنؤ کے جذب و کمال نے ایک مقدس زیارت گاہ بنا دیا۔ بعض اہلِ قلم کہتے ہیں کہ اس زمین پر ایک نادار سید افلاس کی زندگی بسر کر رہا تھا اس کو خواب کے ذریعہ بشارت ہوئی کہ اس جگہ زیر زمین

علم مبارک حضرت عباسؑ ہے۔ اس سیّد نے اس جگہ کی کھدائی کی تو حسب بشارت
زمین سے علم مبارک کا پنجہ برآمد ہوا۔ جس کا وزن ۱۲ سیر کا تھا پھر اس
پنجہ کو علم میں نصب کر کے اس عمارت میں لگا دیا گیا جو بعد میں لوگوں کیلئے
معجزات کرامات منت اور مرادوں کے لئے مقدس درگاہ بن گئی۔

معجزاتی علم کے لئے معتبر روایت

یوروپین خاتون لیڈی برجٹینا ممبر ہاؤس آف لارڈس انگلینڈ
جنھوں نے نواب مصلح الدولہ حاجی میر حسن علی شاہ مرحوم سے بعہد نواب
سعادت علیخاں مرحوم میں عقد کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس معزز خاتون نے
۱۲ سال ہندوستان میں قیام کر کے یہاں کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔
جس کا نام "ابزرویشن آن دی مسلمانس آف انڈیا" از مس حسن علی ۔
(OBSER VATION ON THE MUSLMAN OF INDIA)
(اردو ترجمہ) اس کتاب میں تحریر فرماتی ہیں کہ عہدِ نوابی ایک پاک اعتقاد
مومن حج بیت اللہ کے لئے گھر سے چلے۔ مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے خواب
دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تشریف لائے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ
سمتِ واپسی براہِ عراق کرنا اور عربستان کے فلاں مقام پر جو علم زیرِ زمین
پوشیدہ ہے اس کو اپنے ساتھ ہندوستان لیتے جانا تعمیل حکم ہوئی اور جس
مقام پر خواب میں رہنمائی ہوئی تھی۔ وہاں سے کھود کر علم نکالا۔ لکھنؤ واپس
ہوئے علم کے پہنچنے پر ان کے گھر سے ایک روشنی نمایاں ہوئی جسکے قرب و جوار
میں ایک شور کر دیا اور اس روشنی کی شہرت دور دور تک ہو گئی۔ اس
روشنی نے اس گھر کو منور کر دیا۔ جس کی اطلاع فرمانروائے شہر کو ہوئی۔
اور حاجی صاحب کو باعزاز و اکرام قصرِ حکومت میں طلب کیا گیا۔ روشنی کا

سبب دریافت کیا گیا۔ حاجی صاحب نے تمام واقعہ بیان کیا۔ نوعیت واقعہ
معلوم ہونے پر طے پایا کہ درگاہ کی عمارت تعمیر کی جائے اور پھر اس بشارتی
علم کو اس عمارت میں نصب کر دیا جائے۔ علمائے کرام کے مشورہ سے عالیشان
درگاہ بن کر تیار ہوئی اور نواب کے محل سے علم سجا کر جلوس کی شکل میں رستم نگر
تک لایا گیا۔ اہلِ شہر کے جمِ غفیر میں علم پر سے زر و جواہر نواب نے نثار کئے
اور محتاجوں میں خیرات تقسیم ہوئی جس کی مثال کسی حکومت میں نظر نہ آئے
گی۔ زیارت گاہ سے علم نصب ہونے کے بعد انواع و اقسام کی کراماتیں ظاہر
ہونا شروع ہو گئیں۔ سال میں صرف ایک بار اس علم کو امام بارگاہ کے
صحن درگاہ میں لایا جاتا تو یہ علم خود بخود آسمان کی طرف اٹھنے لگتا اور
اس علم کو جو اٹھائے ہوئے ہوتا اس کے پیر زمین سے اٹھنے لگتے۔
حضرت عباسؑ کی درگاہ اور علم سے نوابین اودھ کی والہانہ وابستگی
رہی ہے۔ نواب سعادت علیخاں نے مراد مانی کہ ان کو ان کا آبائی منصب
مل جائے تو وہ اس روضہ کی شبیہ کے گنبد کو طلائی کروا دیں گے۔ مراد
پوری ہوئی۔ نواب نے گنبد کو طلائی کروا دیا۔ اس طرح جو نواب بھی تختِ
حکومت پر بیٹھتا وہ یہاں آنا اپنا فرض سمجھتا۔
غدر ۱۸۵۷ء میں شہر لٹا اور معتبر ترین بیانات یہ ہیں کہ یہ علم اندر
درگاہ سے شہتوت کے درخت تک جو صحن حرم میں تھا آتے ہوئے وہاں
موجود لوگوں نے دیکھا پھر اس معجزاتی علم کا کہیں پتہ نہ چل سکا امن و امان
ہونے پر شرف الدولہ نے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا کہ جو شخص
اس علم کی نشاندہی کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ مگر علم کسی قیمت
پر واپس نہ ہوا۔

معجزہ نمبر (۱۹)

علم حضرت عباسؑ کے پنجہ پر "محمدؐ" خود بخود تحریر ہو گیا

خاک اڑاتی ہوئی جنگل سے ہوا آتی ہے　　ہائے عباسؑ کی دریا سے صدا آتی ہے

سیّد احسن کمال سابق منیجر الواعظ درگاہ حضرت عباسؑ واقع رستم نگر لکھنؤ، ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء مطابق ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ کا واقعہ اپنے ایک مراسلہ میں مندرجۂ بالا درگاہ اور اس سے متعلق علم کی کرامات پر اشارہ کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں متعدد امام باڑوں کے علموں کے پنجہ پر سے شبیہیں نظر آنے کی خبریں آرہی ہیں۔ چنانچہ اس دوران مندرجہ بالا تاریخ کو مجھے اطلاع ملی کہ درگاہ حضرت عباس علیہ السّلام میں دفعتاً علم کے پنجہ سیاہ ہو گئے ہیں۔ خبر ملتے ہی میں ۷ بجے شب کو درگاہ پہنچ گیا۔ جس وقت درگاہ کے پھاٹک پر پہنچا تو میرا دل زور زور سے لرزنے لگا۔ ہاتھ پاؤں اچھی طرح قابو میں نہ تھے۔ ایک رعب تھا جو مجھ پر طاری تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے صحن اقدس میں گیا اور تقریباً چھ سات کے فاصلہ سے دیکھنا شروع کیا۔ روضہ میں سب علم چاندی کے ہیں اور بہت صاف ہیں۔ لیکن اس وقت ایک علم جو کہ آدھ گز کا ہوگا اس کا بہت زیادہ حصّہ سیاہ تھا۔ میں بغور دیکھتا رہا میرے دیکھتے دیکھتے اس کی سیاہی میں برابر اضافہ ہوتا گیا یہانتک کہ پورا علم سیاہ ہو گیا۔ صرف اوپر کے حصّہ میں ایک ذراسی سفیدی باقی رہ گئی تھی۔ اس کے پہلو میں جو بالکل ویسا ہی دوسرا علم تھا مگر وہ بہت صاف تھا اس پر پہلے سے کوئی علامت یا نشان نہ تھا۔ یکایک اس علم پر بہت واضح اور صاف طریقہ پر لفظ "محمدؐ" نمودار ہوا جسے اس وقت کے تقریباً تمام حاضرین نے بغور دیکھا۔ یہ کیفیت تقریباً پندرہ بیس منٹ تک برقرار

رہی اور لوگ بہت اچھی طرح بغیر کسی مدد اور بغیر بتائے ہوئے دیکھا کئے۔

بھائیوں علم کی سیاہی ایک طرف تو پیامِ غم و سوگواری کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری طرف غصّہ اور جلال کی علامت ہے۔ جو ہونا تعجب نہیں ہے۔

اس وقت جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا تو قوم افتراق و انشقاق کا شکار تھی۔ "محمدؐ" کے مبارک لفظ کا علم پر نمودار ہونا بتاتا ہے کہ تم امت محمدی کے پروانے ہو جو دنیا میں صلح و آشتی اور خیر کے لئے آیا ہے۔ لیکن تم لوگوں نے محمدؐ کی تعلیم بھلادی ہے۔

معجزہ نمبر (۲۰)

روضۂ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول سے گولی چل گئی

یا علیؑ عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر　　سب کے تم مشکلکشا ہو کیا غریب و کیا امیر

نظارہ لکھنؤ کے نامہ نگار ۱۳۸۶ھ کی اشاعت میں ۱۹۰۸ء روضۂ مبارک حضرت ابوالفضل العباسؑ پر ہونے والے معجزات کو تحریر فرماتے ہیں کہ نمازِ صبح کے بعد جب میں بارگاہِ حضرت عباسؑ علمدار میں حاضری کی غرض سے پہنچا تو کفش کن نے مجھے روضۂ مبارک میں داخل ہونے سے روکا اور کہا حضرت عباسؑ نے ایک شخص کو گولی مار دی ہے۔ جب تک حکام اور پولیس نہ آئے اس وقت تک کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ ایک گھنٹہ بعد پولیس اور ڈاکٹر آئے اور روضۂ مبارک میں داخل ہوئے یہاں ان کو ایک عبرتناک منظر دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ مرقد اطہر کے پاس بالائے منبر ایک شخص دیوار سے لگا بیٹھا ہے ایک سفید چادر اس کے جسم کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ضریح اقدس اور اس شخص کے درمیان ایک چھ کارتوس والا

ریوالور پڑا ہے۔ لیکن چادر یا زمین وغیرہ پر کوئی دھبّہ خون کا نظر نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کے جسم سے چادر ہٹائی تو اس کے جسم پر معدہ کی جگہ گولی کا سوراخ معلوم ہوا جو چاروں طرف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ اس کی لاش کو الٹا کر کے پشت کی جانب دیکھا تو اِدھر بھی گولی پار ہو جانے کا نشان تھا۔ مگر کوئی گولی کہیں نہ ملی نہ جس دیوار سے یہ لگا بیٹھا تھا گولی کا نشان تھا۔ جسم میں ایک لمبی سلائی پاس کر کے دیکھا تو وہ اِدھر سے اُدھر تک پاس ہو گئی۔ جس پر ڈاکٹر اور پولیس کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو دوسری جگہ گولی ماری گئی ہے اور لاش یہاں لا کر رکھ دی گئی ہے۔ لاش کو کئی مرتبہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مگر ایک قطرہ خون نہیں نکلا بعد میں میّت کو صحنِ اقدس میں لا کے در قبلہ کے سامنے جیسے ہی کیا ایک خون کا دریا جاری ہو گیا۔ جس کے بعد ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں کی زبانوں سے یہ جملہ نکلا ھٰذا اعجاز العبّاسؑ یہ بیشک حضرت عباسؑ ہی کا معجزہ ہے۔

معجزہ نمبر (۲۱)

جھوٹے کو فوراً سزا ملی

اس ہی طرح ایک دن ایک اور معجزے سے دوچار ہونا پڑا۔ واقعہ یہ ہے۔ ایک دن نماز مغربین پڑھ کر میں امام حسینؑ کے ایوانِ طلائی کی فصیل پر چہل چراغ کے سامنے اپنے بعض احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شور غوغہ سنائی دیا۔ ہم لوگ بھی اس سمت کی طرف دوڑے چند آدمی ایک شخص کو ہاتھوں میں میّت کی طرح اٹھائے ہوئے لا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے ایک مجمع کثیر ہے جن کی زبان پر یہ جملہ جاری "ابو الفضل العباسؑ

سیلی زد نند" ہم نے دیکھا کہ اس کا منہ داہنی جانب گھوم گیا اور منہ سے رال جاری ہے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکل رہا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے پر قادر نہیں ہے لانے والوں نے اسکی شال کو کمر سے کھول کے ایک سرا اس کی گردن میں باندھا اور ایک سِرا ضریح اقدس امام مظلومؑ میں باندھ دیا اور ضریح کے پاس لٹا دیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ اسکی زبان سے صرف اتنا نکلا کہ "برسان نزد عباسؑ" لوگ روضۂ عباسؑ میں فوراً اس کو لے گئے اور پھر اس شخص کو یہاں بھی اسی طرح باندھ دیا۔

جب اس کو کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے ضریح کے پاس جھوٹ قسم کھانے کا ارادہ کیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ میرے رخسار پر ایک ہتھوڑا پڑا اور میں زمین سے تقریباً گز بھر اچھل کر اوندھے منھ گر پڑا اس کے بعد مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اس عالم بیہوشی میں میں نے ایک آواز سنی کہ جا ہم نے عباسؑ سے تیری سفارش کر دی ہے وہ تیری خطا معاف کر دیں گے۔ اس وقت میں اتنا کہہ سکا کہ مجھے خدمتِ حضرت عباسؑ میں لے چلو یہ اعجاز دونوں بھائیوں کے اقتدار پر گواہ ہے۔

(تیسرا معجزہ)

معجزہ نمبر (۲۲)

روضۂ عباسؑ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سیّد زادہ کے پاس آکر خود گری

واہ کیا اوج تھا اس فوج کا کیا جاہ و حشم ہاتھ میں حضرت عباسؑ کے لشکر کا علم

(کامل لکھنوی)

ایک نوجوان سیّد نے ایک بزرگ سیّد کی دختر سے عقد کا پیغام دیا ان بزرگ سیّد نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میری لڑکی نجیب الطرفین سیّد ہے

اس کے کفو نہیں ہو سکتے اس لئے میں یہ رشتہ منظور کرنے سے معذور ہوں۔
یہ نوجوان خود بھی نجیب الطرفین تھا۔ اس کے دل پر اس جواب
سے سخت چوٹ لگی۔ افسردہ و غمگین روضۂ ابوالفضل العباسؑ پر حاضر
ہو کر ضریح اقدس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور التجا کرنے لگا کہ
مولا اگر واقعی میں سید نجیب الطرفین نہیں ہوں تو مجھ کو ہدایت فرمادیجئے
تاکہ میں آئندہ کسی نجیب الطرفین سید کی خواہش نہ کروں اور اگر میں
سید نجیب الطرفین ہوں تو مجھے کوئی سند مرحمت ہو۔ جب اس کی گریہ
وزاری حد سے تجاوز کر گئی تو گنبد روضہ کے بالائی حصہ سے ایک سبز[1] کپڑے
کا دو گز لمبا ٹکڑا اس پر آکر گرا جو اس نے فوراً سر پر لپیٹ لیا۔ نیز گنبد
کے چاروں گوشوں میں کچھ اسلحہ از قسم خنجر و شمشیر وغیرہ لٹکے رہتے ہیں۔
ان میں سے ایک تلوار از خود اسلحہ سے نکل کر نوجوان کے آگے گری جو اس نے
اٹھالی۔ خادم نے یہ خیال کر کے کہ شاید اتفاق سے تلوار گری ہے نوجوان سے
چھین لی۔ تلوار پھر خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کے نوجوان کے پاس گری۔
تین مرتبہ یہی ہوا۔ کلید بردار نے کہا تلوار حضرت نے اسے عطا کی ہے وہ
اس سے لینے کی کوشش نہ کرے۔ یہ خبر شہر میں آگ کی طرح مشہور ہوگئی۔
لوگ جمع ہو گئے اور اس کے کپڑے تار تار کر کے تبرک کے طور پر لے گئے۔
اس طرح لوگ اپنے اپنے گھروں سے کپڑے لاتے اس کو پہناتے اور پھر
نوچ کر لے جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ عشاء کی نماز تک جاری رہا۔

۱؎ کربلا میں سید لوگ اپنے سر پر سبز یا کالا کپڑا ڈال کر رکھتے ہیں۔

معجزہ نمبر (۲۳)

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے عباسؑ کی درگاہ پر منتی علم چڑھوایا

رو کے کہتے تھے کہ اکبرؑ نہیں عباسؑ نہیں   اب امانت کوئی خالق کی میرے پاس نہیں

(مرزا دبیر)

مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کے شیعہ مشہور ہونے
میں صاحب یادگارِ غالب مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا ہے کہ جبکہ
بہادر شاہ ظفر کو دہلی میں بیماری سے کسی طرح آرام نہ ہوا تو مرزا حیدر شکوہ
کی صلاح سے بادشاہ کو "خاکِ شفاء" دی گئی۔ اس کے بعد بادشاہ صحت مند
ہو گیا۔ مرزا حیدر شکوہ نے منت مانی تھی کہ بادشاہ کو جب صحت ہو جائے
گی تو حضرت عباسؑ کی درگاہ پر جو لکھنؤ رستم نگر میں واقع ہے علم چڑھاؤں
گا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی مرزا حیدر شکوہ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ بادشاہ ظفر نے بیماری کی حالت میں ایک خواب میں خود کو حضرت
عباسؑ کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا۔
صحت ہوئی تو ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا
نورالدین کے ہاتھ لکھنؤ بھیجا اور انھوں نے وہاں رستم نگر میں واقع درگاہ
حضرت عباسؑ پر علم مبارک چڑھایا۔ اور جب مرزا حیدر شکوہ دہلی آئے
تو خود بادشاہ نے اس خواب کا حال سنایا اور تاکید کی کہ علم چڑھا دیا جائے
جس کی تعمیل کی گئی۔ اس کے علاوہ مالک رام نے بھی بہادر شاہ ظفر کی
بیماری کا حال لکھتے ہوئے یہی تحریر کیا ہے اور مرزا غالب کی زبانی لکھا
کہ حضرت بادشاہ سلامت سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ رُک رُک کر دو ایک
باتیں کیں اور ارشاد فرمایا کہ آج ایک عجیب بات ہوئی۔ فجر کی نماز کے

بعد یوہی ذرا میری آنکھ جھپک گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں حضرتِ عباسؑ کی درگاہ پر علم چڑھا رہا ہوں اس پر مرزا نور الدین نے عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ رویائے صادقہ ہیں اور اشارۂ غیبی ہے۔ اب خواب کو ضرور پورا ہونا چاہیئے۔ اور بادشاہ نے صحت یابی کی بعد مرزا نور الدین کے ذریعہ درگاہ حضرت عباسؑ پر علم چڑھوایا۔ یہ حضرت عباسؑ کے علم مبارک کی کرامات تھی کہ بہادر شاہ ظفر صحت یاب ہو گئے اور بعد میں انھوں نے مذہبِ حقہ (یعنی شیعہ) اختیار کیا۔

بہادر شاہ ظفر کے شیعہ ہونے کے متعلق ریاست رامپور کے کتب خانے میں فارسی میں ایک کتاب (دستور العمل اودھ) ہے۔ اس کتاب کا نمبر ۲۲۹ ہے اس کتاب میں سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی کے عرائض اور شاہی احکام چند فتویٰ اور مختلف خطوط ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں دہلی کے آخری فرمانروا بہادر شاہ سراج الدین ظفر اور مرزا غالب کی زندگی کے ایک خاص واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔

خاندانِ تیموری کے چند شہزادوں نے لکھنؤ آکر شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ان میں سے بعض شہزادوں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ بھی شیعہ ہو گئے ہیں۔ اور بادشاہ کی طرف سے مہری شقہ بھی انھوں نے پیش کیا۔ شاہ ابوظفر بہادر شاہ نے سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد لکھنؤ کو یہ تحریر مہر لگا کر بھیجی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"بحمد اللہ والمنۃ کہ محبت ولائے اہلبیت علیہم السلام بہ دل اختیار کردم واز کلی اعدائے علی ابن ابی طالب علیہ السلام قطعی تبرّہ نمودم و تعمیر امام باڑہ شروع گردید۔ بعد التماس مجالسِ تعزیت جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ وثنا زیب تزئین خواہد پذیر رفت از سعی من والاتمام من اللہ

مدارج دینیہ کہ بر آن مفصل راسخ ام بہ زبان برخوردار کار گار والاتبار سعادت اطوار مرزا محمد حیدر شکوہ بہادر کہ در این خصوصی راز دار است دریافت خواہد گشت۔ زیادہ برکات"۔

مُہر:۔ سراج الدین ظفر
بہادر شاہ دہلی

(اردو ترجمہ) "اللہ کا شکر ہے کہ محبت اہلبیتؑ دل سے میں نے اختیار کی۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمنوں سے قطعی تبرّا کیا ہے۔ امامباڑے کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔ عمارت تمام ہو جانے کے بعد جناب سید الشہداءؑ کی مجالس تعزیت ہوا کرے گی۔ میری کوشش ہے کہ انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ مفصل مدارج دین کے جن کے اوپر میں راسخ ہوں۔ مرزا حیدر شکوہ بہادر کی زبانی معلوم ہوں گے وہ اس معاملہ میں راز دار ہیں۔

یہ فارسی تحریر اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر عبد القیوم صاحب کی کتاب صفحہ ۱۶۳ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہ کتب لاہور میں مجلس ترقی ادب کے اہتمام سے ۱۹۶۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نام "حالی کی اردو نثر نگاری" ہے۔

(بحوالہ رضاکار لاہور جون ۱۹۸۱ء تحریر ڈاکٹر خاور بلگرامی کراچی)

معجزہ نمبر (۲۴)

حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے ہاتھ جوڑنے کے بعد قید سے رہائی دلا دی

یا علیؑ عباس غازی صاحبِ تاج و سریر — سب کے تم مشکلکشا ہو کیا غریب و کیا امیر

(نظیر اکبر آبادی)

جناب اسد ادیب بدایونی ایم۔اے نامہ نگار "نظارہ" لکھنؤ کے طویل مقالہ تحریر کیا۔جس میں حضرت عباس علیہ السّلام کے ایک معجزہ کا تذکرہ کیا۔اس معجزہ کو جناب نظیر اکبر آبادی نے خمسہ کے طور پر نظم بھی کیا ہے۔اس مقالہ کا عنوان "نظیر اکبر آبادی اور مدح اہلبیتؑ" ہے جس میں اسد ادیب بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

شہر ارکاٹ ضلع کرناٹک دکھن میں ایک ساہوکار رہتا تھا۔ اس کا ایک خوبرو فرزند جوان تھا محرم کا چاند نکلتے ہی یہ لڑکا عزادار بن جاتا تھا۔تعزیوں کے اردگرد طواف کرتا لوگوں نے اس لڑکے کے باپ سے اس کی شکایت کی باپ نے لوگوں کے کہنے سے غصّے میں آکر سخت تنبیہ کی کہ عزاخانوں میں نہ جایا کرے مگر یہ لڑکا نہ مانا اور برابر عزاخانوں میں آکر زیارت اور ماتم داری کے لئے جاتا رہا۔

آخر باپ نے سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں قید کر دیا۔خدا کا کرنا وہاں حضرت عباسؑ علمدار اپنے اعجاز سے تشریف لائے اور آپؑ جناب نے اپنے اعجاز سے ساہوکار کے اس لڑکے کا ہاتھ حُبِّ آلِ محمدؐ کے انعام کے طور پر جوڑ دیا۔اور قید تنہائی سے رہائی بھی دلائی۔چنانچہ جب اس لڑکے کے باپ نے اپنے اس لڑکے کو دیکھا تو مع خاندان اور بہت سے دوسرے افراد کے ساتھ ایمان لے آئے اور کربلا کی زیارت کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

(صلواۃ محمدؐ و آلِ محمد علیہ السّلام پر)

اس پورے معجزے کا نقشہ نظیر اکبر آبادی نے خمسہ میں اسطرح پیش کیا ہے

(۱) تعزیہ کے سامنے ہو کر مؤدب سر جھکا
مورچھل رُو رُو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا

جب علم اٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
یا حسینؑ ابنِ علیؑ کہہ کر علم لیتا اٹھا
لوگ دیکھ اس کی محبت ہوئے تھے حیران کار

(۲) شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دم بدم
قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بدم
عود سفر رواں میں اگر لاکر گراتا دم بدم
اہلِ مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا کہ واں تھا کاروبار

(۳) اپنا بیگانہ اسے جا کر بہت سمجھاتا تھا
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا دل کو اس کے بھاتا تھا
تعزیہ خانوں کی جانب جو وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

اس کے بعد باپ نے لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیا حضرت عباسؑ قید خانہ میں آئے اور ہاتھ جوڑ دیا۔لڑکے نے پوچھا یا حضرتؑ آپ کون ہیں نام تو فرمائیں ؎

(۴) یہ ہمارا ہے نشان اے پاک طینت متقی
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباسؑ علیؑ
کربلا کے دشت میں دولتِ شہادت ملی
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اسے چاہے ہے جی
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غمگسار

صبح کو جب کوٹھری کا در کھلا ؎

(۵) صبح کو اس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا
باپ ماں دیکھیں تو اس کا ہاتھ تن سے جو ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے کہہ دیا
سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اوتار

(۶) الغرض ماں باپ اس پر جان و دل سے تھے فدا
لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوئے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت جا بجا
جب وہ منزل پر اترتے تھے تو وہاں کے لوگ آ
دم بدم کرتے تھے اس پر سیم و زر اپنا نثار

اس کے بعد ساہوکار کا سارا خاندان زیارت سقائے حرم سے مشرف ہوا اور وہاں پر نذر چڑھائی۔ نظیرؔ کہتے ہیں ؎

یا علیؑ عباسؑ غازی صاحبِ تاج و سریر
سب کے تم مشکل کشاؑ ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر
یہ غلام روسیاہ اب جس کو کہتے ہیں نظیرؔ
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

نظیرؔ اکبرآبادی کی اس مخمس کو جس کے کل اسی اشعار تھے ۱۹۵۱ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے شائع کیا۔

یہ کرامت عظمیٰ آج سے ۴۸ سال پہلے قدیم ہندوستان کی ہے صاحب موسع الغموم نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ایک واقعہ مملکت ایران عباس آباد کا درج کیا ہے۔ جس کو آپ اس ہی کتاب میں پڑھ چکے ہیں

یہ باب الحوائج ہیں یہاں ایک معجزہ کیا ہزاروں معجزے ایک ہی نوعیت کے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

معجزہ نمبر (۲۵)

چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا

آنسو رواں تھے غیرتِ الیاس کیلئے — شبیرؑ یونہی روتے تھے عباسؑ کیلئے

تقسیم ہند سے پہلے پٹنہ عظیم آباد بہار سے ایک قافلہ بغرض زیارت جناب سید الشہداء علیہ السلام روانہ ہوا۔ ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس تیز رفتار گاڑی سے ایک عورت کی گود سے کھڑکی کے ذریعہ ایک بچہ ڈبہ کے باہر گر گیا۔ بچہ کا گرنا تھا کہ سارے ڈبہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں جب اسٹیشن آیا۔ ڈبہ سے لوگ قانونی کارروائی کے لئے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسٹیشن پر ایک شخص اس ہی بچہ کو گود میں لئے ٹہل رہا ہے لوگوں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا تو وہ قریب آیا اور بچہ کو دے کر ایک سمت کی طرف چلا گیا۔ (صلواۃ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر)

(بحوالہ کتاب سوانح حیات حضرت عباسؑ از آقا مہدی لکھنوی صفحہ نمبر ۲۵۴)

بھائیو! اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں۔ یہ سب تو تفسیر ہے۔ رجز کے اس مصرعہ کی جس میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ واللہ ابد تک دین کی نصرت کرتا رہوں گا اگر بچہ ضائع ہو جاتا تو اس طرح (۱) ایک بے گناہ کی جان جاتی۔ ماں باپ کی ایک نسل قطع ہو جاتی۔ (۳) شوقِ زیارت گھٹتا (۴) عقیدہ کی کڑیاں ٹوٹتیں۔ (۵) حیات شہداء کا یقین اور قرآن کریم کی آیت "بل احیاءٌ" غلط ہو جاتی۔ (۶) خود مولا کا وعدہ غلط ہوتا۔ (۷) بچہ جو چوٹ کھا کر مر جاتا اس کی لاش کیا ہوتی۔ اس لئے بچہ کا محفوظ رہنا لازم تھا انہی خدمات سے

معرفتِ الٰہی ہوتی ۔

ہم پر تو مومنین کی مدد ضروری ہے (اہلبیتؑ) یہ واقعہ اپنے اندر ایک روشن پہلو یہ بھی رکھتا ہے کہ بچہ کا نام گھر سے نکلنے کے بعد زائروں کی فہرست میں طرح زائرہ کے اطفال بھی زائر اور زائر کے لئے امام محمد باقرؑ کا وعدہ ہے کہ ہمارے شیعوں کو زیارت سید الشہداؑ کا حکم دو۔ زیارت حسینؑ کسی عمارت میں دب کر مرنے اور آگ لگنے، غرق ہونے اور درندوں کا لقمہ ہونے سے بچاتی ہے۔ چلتی گاڑی سے بچہ کا گرنا حدیث کے اصل لفظ "تدفع الهدم" کے بموجب حفاظت کی ضامن ہے۔ اہلِ حرم کی گودیاں خالی ہوئیں مگر انھیں یہ مطلوب نہیں ہے کہ زائرہ کی آغوش سے اس کا بچہ جدا ہو۔

معجزہ نمبر (۲۶)

حضرتِ عباسؑ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچالیا

سر پیٹ کے کہتی تھی جو یہ ہائے چچا جان   لاشے سے بھی آتی تھی صدا ہائے سکینہؑ

(راجہ محمد امیر احمد)

ابو اطلیل مولانا سید راحت حسین صاحب بھگپوری ۱۳۳ھ میں پہلے پہل بغرض زیارت عراق گئے۔ زیارت سید الشہداؑ سے مشرف ہونے کے بعد وطن واپسی کا حال ان کی زبان سے سنیئے۔

راستہ میں جہاز سمندر کے ایک خوفناک طوفان میں پھنس گیا۔ ہر چار طرف پانی کا سمندر میں تلاطم مچا ہوا تھا۔ جہاز کے ناخدا نے تمام دریچوں، کھڑکیوں کو بند کرنے کی تاکید کی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحہ جہاز پانی میں ڈوب جائے گا۔ ناخدا نے کہا کہ اب اللہ اللہ کرو جن کی زیارت کو تم لوگ گئے تھے ان کو پکارو۔ میں نے ایسا زبردست طوفان زندگی میں نہیں دیکھا

یہ طوفانی رات کیسی گذری کچھ بتایا نہیں جاسکتا۔

مولوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نوحہ و ماتم یا حسینؑ مظلوم یا ابو الفضل العباسؑ کہہ رہے تھے اور کچھ ماتم کرتے کرتے سو گئے۔

اس سفر میں ہمارے ہم سفر سرکار ناصر الملۃ کے برادر زادہ حکیم سید ساجد حسین ساجد لکھنوی، محمد میاں اور نواب حشمت علی خاں رئیس حیدرآباد دکھن بھی تھے۔ صبح کے وقت عرشہ سے نواب حشمت علی خاں روتے ہوئے نیچے آئے اور رات کو سوتے میں جو انھوں نے خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنے لگے یہاں پر پہلے ہی سے محمد میاں ملازم خاص سرکار ناصر الملۃ بھی رو رو کر اپنا خواب بیان کر رہے تھے۔ دونوں کے خواب کا مضمون ایک ہی تھا کہ وقت سحر یہ دیکھا کہ حضرت عباسؑ نیزہ لئے ہوئے سمندر پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے تشریف لائے اور جہاز کو اپنے نیزہ سے غرق ہونے سے روک لیا اور فرمایا کہ تم لوگ پریشان نہ ہو غم نہ کرو جہاز اس تلاطم سے بچ گیا۔ یہ خواب سن کر تمام زائرین نے شکرانہ کی نماز ادا کی۔ مجلس حسینؑ اس جہاز میں منعقد ہوئی اور جہاز اس ہی دن صحیح و سالم کراچی کی بندرگاہ سے لگ گیا۔ ہم لوگ جہاز سے اترے۔ دوسرے دن غلام حسین خالقدینا حال میں سیٹھ نور محمد لال جی ملک التجار کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا اس جلسہ میں جناب ابو الخیل مولوی سید راحت حسین صاحب بھکپوری نے ایک پُر اثر و پُر درد سفر عراق و کراماتِ عباسیہ پر لکچر دیا جس نے حاضرین کے دلوں پر ایک قیامت برپا کر دی۔" (بحوالہ اخبار نظارہ ابو الفضل العباسؑ نمبر لکھنؤ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء جلد ۲۴۔ نمبر ۱-۲ صفحہ ۲۴۔ کالم ۲)

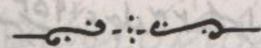
معجزہ نمبر (۲۷)

ہندو بنئے کی آنکھ ٹھیک ہوگئی

حل کیجئے مشکل میری اب دیر ستم ہے
عباسؑ علیؑ تم کو سکینہؑ کی قسم ہے

عالیجناب آغا مہدی صاحب لکھنوی اپنی مشہور زمانہ کتاب "العبد الصالح مسمیٰ بہ سوانح حضرت عباسؑ دلاور" صفحہ ۲۴۹ میں اعظم گڑھ (یوپی) کا ایک واقعہ جو حضرت عباسؑ کے معجزہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عباسؑ کی ایک درگاہ تھی۔ اس ہی علاقے کے ایک ہندو کی آنکھ جاتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد دوسری آنکھ پر بھی بصارت باقی نہ رہنے کی کیفیت طاری ہوئی اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے عباسؑ بابا کی درگاہ پر لے چلو۔ لوگ اس کو درگاہ پر لے آئے۔ اس ہندو نے درگاہ کے دروازے پر بیٹھ کر داد فریاد کی اور یہاں کی خاک اپنی آنکھوں پر لگائی۔ کچھ دیر بعد اس شخص کی آنکھ ٹھیک ہوگئی اور اس نے اعتراف کیا کہ جتنی روشنی دونوں آنکھوں میں تھی اتنی تو روشنی صرف ایک آنکھ میں ہے۔

بھائیو! آنکھ کا نور پلٹانا حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ تھا جس کو مسیح کربلا نے تیرہ سو برس بعد دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ صرف فرق عیسیٰؑ اور عباسؑ میں ہے کہ عیسیٰؑ جس مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تندرست ہو جاتا تھا۔ اور عباسؑ کی منسوب بارگاہ شفا بخش رہی ہے۔ وہ عین اللہ کے فرزند ہیں۔



معجزہ نمبر (۲۸)

کانپور میں واقع محلہ گوالٹولی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

اس تشنہ لب کی پیاس پہ صدقے حیاتِ قوم
سقہ تھا جس کا شیرِ نیستانِ کربلا (نجم آفندی)

سید غیور حسین نقوی مقیم امام بارگاہ ام البنین حسن کالونی کراچی نے بھی سقائے سکینہؑ علمدار فوج حسینی کا تقسیم ہند سے پہلے کا ایک اعجاز بیان فرمایا کہ کانپور محلہ گوالٹولی میں ایک مشہور نوابوں کی بنوائی ہوئی کربلا ہے یہاں شہر کے تمام تعزیے یوم عاشورہ اور چہلم امام عالیمقام کے موقع پر دفن ہوتے تھے اور آجکل بھی ہوتے ہیں یہ کانپور شہر کی مشہور کربلا ہے۔ اس کے اطراف میں مسلمانوں کے گھرانے آباد تھے جس میں کچھ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی تھے۔ اس میں کچھ گھرانے دھوبیوں کے بھی تھے۔ ان میں سے کچھ گھرانے کٹر وہابیوں کے تھے جو اپنے بچوں کو امام بارگاہ جانے مجلس اور تعزیہ وغیرہ کے جلوسوں میں شرکت تک کرنے سے منع کرتا تھا۔ اگر کوئی بچہ چوری چھپے مجلس و امام بارگاہ میں آجاتا تھا تو دھوبی اس بچہ کو بہت مارتا تھا۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا محلہ کے کچھ بچے جس میں اس دھوبی کا بچہ بھی شامل تھا کھیلتے ہوئے امام بارگاہ میں آگئے اور اسکے صحن میں لگے ہوئے بیری کے درخت سے بیر توڑنے لگے۔ ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب ڈالے امام باڑے کے اندر سے صحن کی طرف آرہا ہے۔ سارے بچے ایک دم سے ڈر گئے اور امام بارگاہ کی دیوار پھاند کر باہر بھاگ گئے لیکن دھوبی کا لڑکا ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا سارے لڑکے شور مچانے لگے۔ اس دھوبی کے گھر گئے اور جاکر کہا کہ تمہارے

بچّے کو ایک نقاب پوش گھوڑے سوار نے امامباڑے کے صحن میں کچل
دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ایک زبردست چیخ نکلی اور وہ وہیں
پر پڑا ہے۔ ہم لوگ بھاگ آئے ہیں۔ اب کیا تھا سارے دھوبی اور
اس محلّہ کے دیگر لوگ بھاگتے ہوئے امام باڑے میں آئے تو کیا دیکھتے
ہیں کہ امامباڑے کے اندر سے صحن میں بیری کے پیڑ تک گھوڑے کے نال
کے نشان ہیں جہاں جہاں نال کے نشان تھے۔ اس زمین کی مٹی جل گئی
ہے اور لڑکا بیری کے پیڑ کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ لڑکے کی ماں نے اس کو گود
میں اٹھالیا لوگ اس کے منھ پر پانی ڈالنے لگے۔ تاکہ اس لڑکے کو ہوش
آجائے۔ لیکن وہ اس ہی طرح بیہوش پڑا رہا۔ ناگاہ اس لڑکے نے آنکھ
کھولی اور ایک زوردار چیخ ماری۔ مجھ کو بچاؤ وہ دیکھو سامنے گھوڑے
سوار جن کے ہاتھ نہیں ہیں گھوڑا میرے اوپر چڑھائے دیتے ہیں۔ اور
پھر یہ بچہ بیہوش ہوگیا۔ وہاں موجود ایک بزرگ نے دھوبی سے کہا کہ تو
مجلس ماتم، تعزیہ اور علم کو بُرا بھلا کہتا ہے جس کو حضرت عباس علمدارؑ
برداشت نہیں کرسکے اور تنبیہہ کے طور پر اس بچّہ کو بے ہوش کر دیا ہے
اب کیا تھا دھوبی کے ساتھ ساتھ تمام حاضرین نے جناب عباس علیہ السّلام
سے فریاد کرنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد بچّے کو ہوش آ گیا۔
ماں خوشی خوشی بچہ کو امام بارگاہ سے گھر لے گئی۔ دھوبی نے معافی مانگی۔
کہ آئندہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہے گا۔ اتنی دیر میں سارا شہر وہاں
جمع ہوگیا اور گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی جلی ہوئی مٹی تبرک کے طور
پرلے گئے اور بیری کے درخت کے نیچے جہاں چار ٹاپوں کے نشان تھے وہاں آج بھی
گڑھا ہے اور پیڑ میں ہزاروں منّتی دھاگے بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ آج بھی یہاں
آکر مرادیں اور منّتیں مانگتے ہیں۔ جس کو باب الحوائج پوری کرتے ہیں۔

معجزہ نمبر (۲۹)

نیپال کی ترائی میں نبیؐ کے لال کا ماتم، لوگ یہاں حسینؑ کے بھائی عباسؑ کے علم کیساتھ قرولی کا ماتم کرتے ہیں۔ یہی وہ غم ہے جس میں ہر قوم شریک ہے

عباسؑ کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر   بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی

شری چندر مان پرشاد کا تعلق ہندو مذہب سے تھا جو ہندوستان
قصبہ ہلور تحصیل ڈومریا گنج اسٹیشن ضلع بستی (یو۔پی) کے رہنے والے
تھے اس قصبہ میں اکثریت شیعہ سادات کی آبادی تھی اور آج کل بھی ہے
شری جی صاحب علم اور انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے۔ علاقہ کی سادات
برادری سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ جس کی وجہ سے اکثر مجالس و محافل
میں ان کی شرکت رہتی تھی جہاں یہ علوم آلِ محمدؐ سے مستفیض ہوتے رہتے تھے
طلب سچی ہو تو ہدایت بھی ملتی رہتی ہے۔ صاحبانِ علم کی صحبت اور دینی کتب
کے مطالعہ نے ان کے دل میں اسلام وحقانیت اور برتری کو تسلیم کرنے
کی شمع جلا چکی تھی۔ اس ایک واقعہ نے جس کا آگے چل کر بڑی تفصیل
سے ذکر آئے گا ان کی بالکل ہی کایا پلٹ دی۔

شری چندر مان پرشاد ۱۹۵۰ء میں حکومتِ نیپال کی جانب سے
فارسٹ سروے افسر کے عہدے پر فائز تھے اور حکومت کی جانب سے
علاقہ کے جنگلات کا سروے کر رہے کہ دورانِ سروے جو واقعہ پیش آیا
اس کو ان کی زبانی سنیئے:۔

"ہم کو ہمیشہ سے اہنسا کی راہ دکھانے والے رہبر اعظم "حسینؑ" کے
کارناموں کو سننے اور پڑھنے سے دلچسپی تھی چنانچہ ڈومریا گنج اسٹیشن کے

دوران قیام میں حضرات ہلّور سے اس معاملے میں کافی امداد ملتی رہی اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ انھوں نے واقعات کربلا کے متعلق بہت سی ایسی نادر اور نایاب کتابیں مجھ کو عطا کی ہیں کہ میں کبھی بھی انکے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اور انھیں کتابیں اور ہلّور شہر کی سالانہ مجالس جو کہ" انجمن گلدستہ ماتم اور فروغ ماتم" سے منعقد ہوتی تھیں جن کو باہر سے آئے ہوئے مشہور زمانہ جید علماء کرام رونق بخشتے تھے انہی مجالس کی بدولت میں چند شیعہ حضرات سے بھی زیادہ تاریخ کربلا کے متعلق جانتا ہوں اب ایک واقعہ میں سناتا ہوں جو کہ پچھلے سال میری نظروں سے گزرا۔ اور اسی وقت سے میں اور اہنسا کے اس پجاری حسینؑ کا پیرو کار ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں ماہِ محرم میں نیپال کے شمالی جنگلوں میں وہاں کی پیمائش کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ جنگل ابھی تک ناپا نہیں گیا تھا۔ میں اپنے عملے کے دیگر ساتھیوں کے ٹٹو (گھوڑے) پر ان پُرخطر جنگلوں کو پار کرتا ہوا بالکل دوسرے کنارے پر پہنچا۔ میرا راستہ سات دن میں ختم ہوا تھا دوری کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ ایک دن میں کم سے کم تیس۳۰ میل ضرور چل لیتے۔ بہر حال ایک وادی میں کیمپ لگا دیا گیا اور ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اور ہم کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس مہینے میں انسانیت کے علمبردار اور اہنسا کے موجد حسینؑ کی یاد منائی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا روزانہ کا کام یہ ہوتا تھا کہ آٹھ بجے صبح تک کھانا وغیرہ کھا کر نکل پڑتے تھے اور تین بجے تک درختوں میں نشان وغیرہ لگا کر واپس آجاتے تھے۔ پانچ دن اسی طرح گزرے اور ہم لوگوں نے کم از کم پچاس۵۰ میل رقبے کا جنگل سروے کر ڈالا۔ لیکن آج اس جنگل میں کسی آدمی سے ملاقات نہ ہوئی۔ سوائے خونخوار جانوروں، خطرناک سانپوں کے، ساتویں دن صبح

میں منہ ہاتھ دھو کر پیمائش کرنے کی تیاری میں مشغول تھا کہ عجیب و غریب آوازیں اور شور سنائی دیا۔ کیونکہ پہاڑی علاقہ میں آواز بہت دور تک گونجتی ہے۔ ہم کو شبہ ہوا کہ شاید عاشورہ کا دن اور یہ آواز ماتم کی تو نہیں آرہی ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ سنسان جنگل میں جہاں کہ آدمیوں کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ماتم کون کرے گا۔

بہر حال جلدی جلدی تھوڑا بہت کام کیا اور اسی آواز کی طرف چل پڑے۔ خیال یہ تھا کہ اِدھر پیمائش بھی ختم کر لوں گا اور اس شور کا پتہ بھی لگ جائے گا۔ ہم لوگ برابر چلتے رہے اور شور برابر سنائی دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم ایسی پہاڑی کے قریب پہنچے جو کہ کافی اونچی نہ تھی۔ اس کو پار کرنے کے بعد ایک میدان نظر آیا۔ جہاں قریب پانچ سو آدمی جنگلی (تھازو قبیلے والے) مصروف گریہ و ماتم تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے علم بھی تھے جو کہ لکھنؤ وغیرہ کے علموں سے مختلف تھے اور ان جنگلی آدمیوں میں سے کچھ کے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط قرولی (چھری) تھیں جو کسی خاص موقع کے انتظار میں تھے۔ قریب دو بجے کا وقت تھا ہم لوگ دور ہی سے ان لوگوں کی حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ماتم اور زوروں سے ہونے اور حسینؑ حسینؑ، عباسؑ، عباسؑ کی صدائیں تیزی سے بلند ہونے لگیں۔ لفظِ حسینؑ اور عباسؑ کے ساتھ کچھ الفاظ اور بھی کہہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ آگے بڑھے اور ایکبارگی سب کے سب زور زور سے ماتم کرنے کے بعد اسی قرولی (چھری) سے سر پر مارنے لگے۔ اس طرح ان لوگوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر بیہوشی کی حالت میں زمین پر گرنے لگے اور قریب سو آدمی اسی طرح خون میں ڈوب کر بیہوش ہو کر گر پڑے بقیہ ماتم کرتے ہوئے اپنی

آبادی کی طرف چلے گئے۔ اور یہ لوگ اسی طرح پڑے رہے اور ان کے جسموں سے خون بہتا رہا۔ اب ہم لوگ پریشان تھے کہ کیا کیا جائے انکی آبادی تک جائیں یا واپس اپنے کیمپ میں چلے جائیں۔ ہمارے ساتھی واپس کیمپ آنے پر تیار تھے۔ لیکن میں ان زخمی آدمیوں کے انجام کو دیکھنا چاہتا تھا۔

بڑی دیر بحث کے بعد طے پایا کہ تھوڑی دیر رک کر واپس خیمہ پر چلا جائے گا۔ ابھی مشکل سے دس منٹ بھی نہ گذرے ہونگے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھبرا کر دیکھا تو چند سوار دکھائی دیئے جن کے چہرے اتنے نورانی اور درخشاں تھے کہ نظر ڈالنا محال تھا۔ وہ سوار قریب ان لوگوں کے آئے اور ان میں سے تین سوار زمین پر اُترے اور ہر شخص کے قریب سے کچھ کہتے ہوئے گزرے اور بقیہ سواروں کے پاس پہنچے۔ ابھی اچھی طرح رُکے بھی نہ تھے کہ سب کے سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سواروں کے سامنے تعظیم سے جھک گئے۔ میں حیران و ششدر رہ گیا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں اور جیسے ہی میں نے چاہا کہ قدم اٹھا کر آگے بڑھوں کہ وہ گھوڑے سوار روانہ ہو کر نظروں سے غائب ہو گئے اور وہ لوگ جو بیہوش ہو گئے تھے وہ بھی نظروں سے غائب ہونے لگے۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بڑھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں۔ اشاروں سے بات چیت ہوئی۔ ان لوگوں نے بظاہر کہا کہ آج کے دن ایک بہت بڑے مہاتما کا سوگ منایا جا رہا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج سارا دن یہ لوگ کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ اور قرولی کے اس ماتم سے آج تک ان کا کوئی آدمی مرا بھی نہیں ہے۔ ان کے مرد اور عورتیں سب کے سب قرولیوں (چھریوں) سے سر پر ضرب مار کر ماتم

کرتے ہوئے بیہوش ہو جاتے ہیں اور اُن کے وہی مہاتما آکر ہر سال ہوش میں لاتے ہیں۔ اسی دن سے ہمارے تمام ساتھی بھی اس عظیم ہستی کا غم منانے لگے جس نے انسانیت کے نام پر ایک بڑی جنگ جیتی ہے اور اس واقعہ کے بعد سے میں قریب قریب اسلام کا پیروکار ہو کر حسینی بن گیا ہوں اور ہر شخص کو حسینؑ کا پیغام امن صلح اور حق کے لئے جینا اور حق کے لئے مرنے کی تعلیم دیتا ہوں۔ (بحوالہ نظامی جنتری ۱۹۵۳ء صفحہ نمبر ۱۔ اور ماہنامہ سحاب محرم نمبر۔)

معجزہ نمبر (۳۰)

معجزہ پر معجزہ

(ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے) امیر لشکر حسینؑ کے معجزات اور کرامات کو یکجا کر رہا تھا کہ روزنامہ اخبار جنگ میں مشہور صحافی اور عامل روحانی عالیجناب سردار علی صابری صاحب کا مضمون مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء جمعہ ایڈیشن میں شائع ہوا۔ مضمون کیا ہے

فیاضی کی روشن مثال:- فضائلِ آلِ محمد علیہ السلام کا ایک ٹھاٹے مارتا ہوا سمندر ہے۔ بہت پسند آیا۔ دل نے کہا کہ اس کو بھی اس کتاب کی زینت دیدو۔ کیونکہ اس دور میں برادر اہلسنت کی جانب سے ایسا مضمون لکھ دیا جائے تو یہ معجزہ سے کیا کم ہے۔ صابری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فرزند رسولؐ سیدنا حضرت امام حسینؑ مدینہ منورہ میں کہیں جا رہے تھے دوپہر کا وقت تیز دھوپ راہ میں ایک خوشنما اور شاداب باغ نظر آیا۔ آپ استراحت کے خیال سے اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک قوی ہیکل حبشی غلام کام کاج سے فارغ ہو کر گھنے درخت کے سائے میں پیٹ کی آگ بجھانے بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں جو کی ایک سوکھی روٹی ہے اور سامنے

ایک کتا۔
حبشی نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا بھوکے کتے نے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا حبشی نے دوسرا ٹکڑا کتے کے سامنے ڈال دیا۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ حبشی غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے ناخواندہ مہمان کی تواضع کرتا۔ حضرت امام حسینؑ کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جَو کی ایک سوکھی روٹی تنومند حبشی غلام ہی کی شکم سیری کے لئے ناکافی تھی لیکن وہ بھی اس نے تنہا نہ کھائی اور ایک کتے کو سہیم و شریک بنا لیا۔

سیدنا امام حسین علیہ السّلام نے آگے بڑھ کر حبشی سے پوچھا تم صبح سے دوپہر تک باغ میں شدید محنت کے بعد خود کیوں بھوکے رہے اور جَو کی ایک روٹی میں کتے کو کیوں شریک کر لیا۔ حبشی نے جواب دیا۔

یہ ایک روٹی یقیناً میرے لئے ناکافی تھی لیکن جب میں کھانے بیٹھا اور کتے نے میری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو میرا دل کڑھا اور میری غیرت گوارا نہ کر سکی کہ میں خود تو کھاؤں اور یہ بے زبان تکتا رہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السّلام نے پوچھا۔

تمھارے مالک کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟ حبشی نے اپنے مالک کا نام و نشان بتا دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو اور جب تک واپس نہ آؤں کہیں جانا نہیں۔

حبشی نے انتظار کا وعدہ کیا اور حضرت امام حسین علیہ السّلام اس باغ کے مالک کے ہاں تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ کا ایک معزز شہری تھا اس نے فرزندِ رسولؐ کی تشریف آوری کو باعثِ فخر و مباہات سمجھا اور عقیدت

و مہمان نوازی کے تقاضے پورے کئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت امام حسینؑ نے پوچھا کہ شہر کے باہر مشرقی گوشے میں جو ایک بڑا سا خوشنما باغ ہے وہ آپ ہی کی ملکیت ہے، مالک نے عرض کیا "جی ہاں" حضرت امام حسینؑ نے پوچھا اور وہ حبشی غلام جو باغ کی نگہداشت و سیرابی کے لئے متعین ہے کیا آپ ہی کا غلام ہے؟ مالک نے اس بات کا جواب بھی اثبات میں دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا باغ اور غلام دونوں کو خریدنا چاہتا ہوں۔ خریداری کی ضرورت شدید ہے جو قیمت طلب کیجئے ادا کر دوں گا۔ فرزند رسولؐ کے حکم کو کون ٹال سکتا تھا اور پھر خریدار بھی وہ جو منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھا اور جس کی فیاضی سیر چشمی کی داستان بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ سودا کیوں طے نہ ہوتا۔ مالک کو وہ قیمت مل گئی جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور حضرت امام حسینؑ نے باغ اور غلام دونوں کو خرید لیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسینؑ دوبارہ باغ تشریف لائے غلام اپنے کام میں مصروف تھا۔ آپ نے حبشی غلام کو آواز دی وہ قریب آیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں تمھارے مالک کے ہاں گیا تھا وہیں سے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے تمھیں بھی خرید لیا اور اس باغ کو بھی"۔

حبشی غلام نے اپنے آقا کو ادب سے سلام کیا اور اپنی وفاداری اور خدمت گزاری کا یقین دلاتے ہوئے عرض کیا "میں اپنے نئے آقا کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

حضرت امامؑ نے فرمایا میرا نام حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ حبشی غلام نے حضرت امام پاک کا نام کیا سنا کہ دل کی کلی کھل گئی۔ محبوب خدا کے نواسے اور لختِ جگر

رسولؐ کے لختِ جگر کی خدمت گزاری سے بڑھ کر دین اور دنیا میں کیا شرف ہو سکتا ہے۔ حبشی نے ادب و عقیدت سے دامنِ عبا کو چوم کر عرض کیا کہ یا فرزندِ رسولؐ آپ کی خدمت گزاری کو میں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بناؤں گا۔ حضرت امام پاک نے فرمایا تمہارے پاس شکم سیری کے لئے جَو کی صرف ایک روٹی تھی اس میں بھی تم نے ایک بے زبان کو شریک کر لیا اور خود بھوکے رہے۔ میں تمہاری اس خدا ترسی اور رحمدلی سے بہت متاثر ہوا ہوں اور تم کو اللہ کی راہ میں آزاد کر کے یہ باغ تمھیں بطور انعام دے رہا ہوں۔

ایک غریب حبشی غلام، برسوں کی غلامی کے بعد آزادی کا مژدہ اور ایک عالیشان قیمتی باغ کی ملکیت! جتنی خوشی بھی ہو کم تھی لیکن اسلام کے چشمہ فیض سے تشنگی بجھانے والے ایک غریب حبشی کی سیر چشمی ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے قدموں پر گر کر عرض کرتا ہے۔

"یا ابن رسول اللہؐ جس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری غلامی کی زنجیروں کو قطع کیا ہے اور جس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ نے مجھے آزادی کی نعمت اور اس قیمتی باغ کی ملکیت عطا فرمائی ہے اسی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اظہار تشکر کے طور پر میں اس باغ کو غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لئے وقف کرتا ہوں۔" ے

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یہ تھا عباسؑ غازی کے بڑے بھائی حسنِ مجتبےٰ کا کارنامہ جو انسانی دسترس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آلِ محمدؐ کے گھرانے کی ہر عطا اور بخشش کو معجزہ اور کرامات سمجھ لیتے ہیں جبکہ یہ انسانوں کو اس کی عظمت کا درس دیتے ہیں۔

معجزہ نمبر (٣٢)

بڑے امام باڑے کھارا در میں منبرِ رسولؐ کے پاس نصب علمِ حضرت عباسؑ سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں

١٩٨٠ء صفر کے مہینہ میں رات کی مجلس کے بعد حاضرین نے دیکھا کہ منبرِ رسولؐ کے اوپر جو علم حضرت عباس علمدار علیہ السّلام کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے اس کے پنجہ پر پانی کی بوندیں نمودار ہیں اور وہ آپس میں مل جاتی ہیں۔ پھر پنجہ سے نیچے چاندی کی لٹکی ہوئی مشک پر آجاتی ہیں۔ اور وہاں سے پھر منبر کے بالائی حصّے پر ٹپک جاتی ہیں، پانی کی بوندوں کو دیکھنا تھا کہ سقائے سکینہؑ کی عاشور والے دن کی بے کسی یاد کر کے لوگوں نے ماتم شروع کر دیا۔ اس معجزے کی اطلاع فوراً شہر میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ پھر کیا تھا۔ ہزارہا آدمیوں کا سمندر امڈ آیا یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ سے زیادہ رہا۔ لوگ اس پانی کو جمع کر کے اپنے بیماروں کے لئے لے گئے اور مولا عباسؑ نے ان کو شفا دی۔

معجزہ نمبر (٣٣)

مہاراجہ گوالیار کی سواری زیر سائے علم حضرت عباس علیہ السلام

١٩٠٥ء میں شہنشاہ جارج پنجم جبکہ وہ پرنس آف ویلز تھے۔ ہندوستان آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک صحافی مسمی SIDNEY LOW بھی تھا اس نے ایک کتاب (AVISION OF INDIA) لکھی تھی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ١٩٠٧ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب میں اس نے ایک تصویر دی ہے جو کہ ہندوستان کی ریاست گوالیار کے مہاراجہ سندھیا

کے ہاتھی کی ہے۔ ہاتھی کے ہودہ پر دونوں طرف اور پشت پر علم حضرت عباسؑ کے پنجے نصب ہیں تاکہ مہاراجہ سندھیا علم کے سایہ میں عافیت سے رہے (یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے) (یہ کتاب سیّد رضا رضوی صاحب (شاہ گنج آگرہ) حال مقیم بہار کالونی جمشید روڈ کے پاس موجود ہے)۔

معجزہ نمبر (۳۴)

علم مُبارک حضرت عبّاسؑ پر شبیہیں نظر آنے لگیں

کربلا ہے جراُتِ انکار سے تنسیخ کفر
کربلا ہے اصل میں بنیاد اسلامی نظام

(انعام درّانی)

بحوالہ کتاب "ہاکس بے پر حسینؑ کا ماتم" صفحہ نمبر ۱۴۱ میں ایک معجزہ تحریر ہے جس میں چکواں کے گاؤں رینا سیداں کے سیّد ولایت شاہ کی حویلی پر ایک علم بیاد حضرت عباسؑ علمدار نصب ہے۔ ان کی بیٹی نسیم فاطمہ جو اپنے گاؤں میں نیک بی بی کے نام سے موسوم تھی۔ اس نے فروری ۱۹۸۱ء میں اعلان کیا کہ ہمارے گھر پر معجزہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک نوروز والے دن مکان کے اوپر نصب علم مبارک کا پنجہ ایک دم سے سُرخ ہو گیا اور اس پنجہ پر مختلف شبیہیں نظر آنے لگیں۔ اب کیا تھا یہ خبر سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ قرب وجوار کے دیہات ملک کے دوسرے علاقے سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے۔ علم آج بھی ولایت علی شاہ کی حویلی پر نصب ہے اور وہ لوگ بھی کافی تعداد میں زندہ ہیں جنہوں نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

فہرست کتب نظامی پریس بکڈپو لکھنؤ

قرآن مجید مترجم مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ	150/=
قرآن مجید مترجم مولانا سید مقبول احمد دہلوی	200/=
نہج البلاغہ مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ	150/=
تحفۃ العوام اضافہ شدہ ایڈیشن	100/=
چودہ ستارے مولانا سید نجم الحسن کراروی	100/=
ہدیۃ الشیعہ آیت اللہ علی مشکینی قم۔ ایران	120/=
معالی السبطین فی احوال الحسنؑ والحسینؑ جلد اوّل، دوم	260/=
تاریخ ائمہ مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ	120/=
مفاتیح الجنان مترجم مولانا اختر عباس صاحب	115/=
بحار الانوار جلد اوّل تا دہشتم	855/=
الدمعۃ الساکبہ جلد اوّل، دوم	380/=
نعیم الابرار جلد اوّل تا چہارم	345/=
علل الشرائع از شیخ الصدوق علیہ الرحمہ	200/=
تحفۃ العوام ہندی	100/=
محافل و مجالس چہاردہ معصومینؑ	80/=
معجزات حضرت علیؑ	30/=
معجزات حضرت عباسؑ	30/=
اعجاز القرآن	30/=
تعقیبات نماز	30/=
چشمۂ مراد	24/=
ریاض القدس جلد اوّل جلد دوم	375/=